کلکتہ میں
اردو کے نادر ذخائر

معین الدین عقیل

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

کلکتہ میں

اردو کے نادر ذخائر

(ایشیاٹک سوسائٹی اور نیشنل لائبریری کے اردو مخطوطات)

کلکتہ میں

اردو کے نادر ذخائر

(ایشیاٹک سوسائٹی اور نیشنل لائبریری کے اردو مخطوطات)

معین الدین عقیل

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

فہرست

معروضہ: کلکتہ کے اردو ذخائر

عہدِ جدید کے نوآبادیاتی جنوبی ایشیا میں، مغرب سے قریبی روابط کے اثرات نے جن شہروں کی تہذیبی و معاشرتی زندگی کو سب سے زیادہ متاثر کیا، بلکہ فی الحقیقت ان شہروں میں جس ایک نئے شہر اور اس میں ایک نئی تہذیبی زندگی کی صورت گری کی، وہ کلکتہ تھا۔ ۱۷۵۷ء میں بنگال کے حکمران نواب سراج الدولہ کی انگریزوں سے شکست کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے اپنا صدر مقام بنالیا جس کے زیرِ اقتدار و زیرِ انتظام اس شہر کی تہذیبی و معاشرتی دنیا ہی بدل گئی۔ چند ہی دہائیوں میں اس خطے کا کوئی شہر اس کی ہمسری کے قابل نہ رہا۔ انگلستان کے طرز پر کمپنی کے دفاتر و عمارات اور سڑکوں و شاہراہوں اور رہائشی مکانات کی تعمیرات نے ظاہری شکل و صورت میں اسے یکسر ایک نئے اور جدید تر شہر کی صورت دے دی کہ ان تعمیرات کے سبب یہ "شہرِ محلات" کہا جانے لگا۔ پھر علمی و تعلیمی اداروں، بمثل مدرسۂ عالیہ، مشنری اداروں، ایشیاٹک سوسائٹی اور مطابع کے قیام اور ان کی سرگرمیوں نے اسے تہذیبی اعتبار سے بھی اس ممتاز و مختلف حیثیت سے نوازا کہ اگلی پوری ایک صدی بھی اس کا کوئی ہمسر پیدا نہ کرسکی، تا آں کہ خود انگریزوں نے دیگر پرانے شہروں کو نئی شکل دینا نہ شروع کردی۔ جدید علمی و تعلیمی اداروں کے قیام اور مطابع کے آغاز اور ان کی طباعتی سرگرمیوں کے سبب تو یہ شہر اس پورے خطے کے لیے علم و فن کے احیا و فروغ کے لیے بھی ایک محرک و مرکز بن گیا۔ مطابع کے قیام اور ان کی اشاعتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ایشیاٹک سوسائٹی کا قیام اور اس کے اغراض و مقاصد اور ان کے فروغ نے سارے ہندوستان میں مطالعہ و تحقیق اور خاص طور پر تاریخ نویسی کی اور پھر فورٹ ولیم کالج کے قیام اور اس کی تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں نے مقامی ہندوستانی زبانوں میں

ترقی وفروغ کی جو فضا پیدا کردی، اس نے ایک علمی وتہذیبی انقلاب کی سی صورتِ حال پیدا کردی اور ان تہذیبی سرگرمیوں کے باعث ہندوستان اپنے عہدِ قدیم سے عہدِ جدید میں قدم رکھنے کے لائق ہوگیا۔

۱۹۱۰ء میں دہلی کے دارالحکومت بنائے جانے تک، کہ جب تک یہ شہر برطانوی نوآبادیاتی اقتدار کا مرکز رہا، اس عرصے کی اس کی تہذیبی ومعاشرتی زندگی متعدد عمدہ مطالعات اور تجزیوں کا موضوع بنی ہے اور انتہائی معلوماتی اور پُر مغز کتابیں اور مقالات اس ضمن میں سامنے آتے رہے ہیں۔ انتہائی جامعیت سے، ایک عرصے قبل تک، جو مطالعے سامنے آئے ہیں، ان میں سے منتخب مطبوعات کا ایک اندازہ راقم کے اس مقالے کے مآخذ اور فہرستِ محولہ سے کیا جاسکتا ہے جو اگلے صفحات میں شامل ہے، لیکن اس کے بعد اب تک جو عمدہ اور جامع مطالعات منظرِ عام پر آئے ہیں، اور ایشیاٹک سوسائٹی کے قیام کے پس منظر اور اس کی سرگرمیوں اور کلکتہ کے اس وقت کی تہذیبی زندگی کے تعلق سے جو تازہ مطالعے سامنے آئے ہیں، جیسے: *Sir William Jones, A Reader*، مرتبہ ستیا اے پاچوری، آکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۸ء؛ *Bengal, The British Bridgehead: Eastern India, 1740-1828*، از پی جے مارشل، کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۷ء؛ یہ ان پر مستزاد ہیں جو قبل ازیں خصوصاً *British Orientalism and the Bengal Renaissance: The Dynamics of Indian Modernization, 1773-1835.*، از ڈیوڈ کوف، پرنسٹن یونی ورسٹی پریس، ۱۹۶۹ء؛ یا *Intellectual and Cultural Characteristics of India in a Changing Era, 1740-1800.*، از جورج ڈی بیرس، مشمولہ: Journal of Asian Studies.، جلد ۲۵، شمارہ ۱، ص ص ۳۔۱۷؛ *The Asiatic Society of Bengal and the Discovery of India's Past.*، از او پی کجریوال، دہلی، ۱۹۸۸ء؛ کی صورت میں سامنے آئے تھے۔ ایسے مطالعات کا ایک اندازہ ان سے لگایا جاسکتا ہے۔

ان حالات کے تناظر میں ایشیاٹک سوسائٹی نے مطالعات کی اپنی قائم کردہ روایات کے باعث ہندوستان میں جو علمی انقلاب برپا کیا اس میں اس کی مطالعاتی وتحقیقی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اس کا قائم کردہ کتب خانہ بھی اس روایت کے فروغ کا مصدر وسبب بنا ہے۔ علوم شرقیہ اور مسلمانوں کی تاریخ نویسی نے اس سوسائٹی اور اس کے کتب خانے اور اس کے شعبۂ

مطبوعات سے جو فیض پایا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔اس کے کتب خانے میں محفوظ عربی، ترکی، فارسی اور اردو زبانوں کے قیمتی و نادر مخطوطات ان مطالعات اور مطبوعات کے لیے اہم مآخذ بنے ہیں۔اس میں موجود ذخائر میں محفوظ عربی و فارسی مخطوطات اور مطبوعات کی فہرستیں سوسائٹی کے اہتمام سے مختلف وقتوں میں مرتب اور شائع ہوتی رہی ہیں، یہاں تک کہ سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود اردو مطبوعات کی فہرستیں بھی کئی جلدوں میں شائع کر دی گئی ہیں لیکن اردو مخطوطات کی کوئی مکمل اور جامع فہرست اب تک مرتب و شائع نہ ہو سکی۔ زیر نظر کتاب اس ضمن میں ایک پیش رفت کہی جا سکتی ہے کہ جو سوسائٹی کی جانب سے کسی مکمل اور جامع فہرست کی عدمِ موجودگی میں انفرادی و بیرونی کوششوں کے سبب موجودہ صورت میں مرتب و شائع ہو رہی ہے۔ جو فہرستیں انفرادی کوششوں کے باعث منظرِ عام پر آئی ہیں ان کا پس منظر اور ان میں شامل مندرجات کی نوعیت آگے ''تمہید'' میں اور مذکورہ فہرستیں اگلے صفحات اور ضمیموں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے کے علاوہ امپیریل لائبریری بھی اہم اور وقیع ذخائر پر مشتمل ہے، جسے نیشنل لائبریری میں ضم کر دیا گیا ہے۔ان کتب خانوں میں بھی اردو مخطوطات موجود ہیں جن کی فہرستیں شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے مختلف وقتوں میں مرتب کر کے مقالات کی صورت میں شائع کی تھیں۔ یہاں انھیں بھی بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہے تا کہ کلکتہ کے اہم کتب خانوں میں موجود سارے ہی اردو مخطوطات کے بارے میں معلومات یکجا اور عام ہو جائیں۔ان فہرستوں کی ترتیب و اشاعت کا پس منظر، جو راقم کی دسترس میں رہی ہیں، متعلقہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے، لیکن شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی مرتبہ فہرستیں: ''کلکتہ اور اطرافِ کلکتہ کے کتب خانوں میں محفوظ اُردو مخطوطات''، مشمولہ: ''اُردو مخطوطات کی فہرستیں (رسائل میں)''، مرتبہ: ڈاکٹر رفاقت علی شاہد، لاہور، اُردو اکیڈمی پاکستان۔ اشاعتِ اوّل: مئی ۲۰۰۰ء، ص ۱۲۱ تا ۱۴۲ (حواشی: ص ۳۰۹ تا ۳۱۴) سے ماخوذ ہے۔شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی فہرستوں پر حواشی عزیزی ڈاکٹر رفاقت علی شاہد نے تحریر کیے ہیں، جو متعلقہ معلومات و مآخذ کے لیے اہم ہیں اور جن کی وجہ سے شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی فہرستیں مزید وقیع بن گئی ہیں۔اسی طرح جمیل نقوی صاحب کی فہرست کے مندرجات پر بھی حواشی لکھنے کی ایک ضرورت موجود تھی، جو میری عدیم الفرصتی کے باعث ممکن نہ ہو سکی۔

ایشیاٹک سوسائٹی اور نیشنل لائبریری (بشمول امپیریل لائبریری) کے علاوہ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں بھی اردو مخطوطات موجود رہے ہیں جو بعد میں ''نیشنل آرکائیوز''، نئی دہلی میں منتقل کردیے گئے ہیں۔ ''نیشنل آرکائیوز'' کی جانب سے فورٹ ولیم کالج کے ان مخطوطات کی فہرست: *Catalogue of Manuscripts of the Fort William College Collection in the National Archives of India Library.*، مرتبہ: ڈاکٹر آر۔ کے۔ پیرتی، ۱۹۸۹ء (اور مطبوعات کی فہرست: *Catalogue of Books of the Fort William College Collection in the National Archives of India Library.*، مرتبہ: آر۔ کے۔ پیرتی، ۱۹۸۴ء) مرتب و شائع ہو چکی ہے، اس لیے زیرِ نظر فہرستوں کے ساتھ، کلکتہ کے اردو ذخائر میں اب ان کا شمار اور انھیں شامل کرنا ضروری نہیں تھا۔ اس سے قطع نظر، ایشیاٹک سوسائٹی اور نیشنل لائبریری میں موجود منتخب اردو مخطوطات کی حد تک یہاں شامل یہ فہرستیں، امید کہ اس سوسائٹی کی ایک مکمل اور جامع فہرستِ اردو مخطوطات و نوادرات کی عدم موجودگی میں، اس کمی کو پورا کر سکیں گی جو محققین اور ضرورت مندوں کی ایک دیرینہ ضرورت رہی ہیں۔

معین الدین عقیل

رہائش: بی۔۲۱۵، بلاک ۱۵
گلستانِ جوہر، کراچی

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ: مقاصد، قیام اور سرگرمیاں

ہندیات[1] کے مطالعے کا پس منظر، اغراض و اسباب

انگریزوں کا ہندوستان میں اقتدار، جو ابتدا میں برائے نام تھا، اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں مسلسل بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی کے آتے آتے اس نے اقتدارِ اعلیٰ کی صورت اختیار کر لی۔ ابتداء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے ساتھ ساتھ اس کے طور طریقوں اور تجارتی مقاصد کے بارے میں، نقطۂ نظر کے لحاظ سے، تبدیلی رونما ہونے لگی[2]۔ کمپنی نے تجارت کے اس فرق کو اب بزور ختم کرنے کی کوشش کی جسے ایک صدی تک اسے برداشت کرنا پڑا تھا۔ اس طرح اس کے اقتدار اور استحکام کے ساتھ جبر و تشدد کا ایک لامحدود سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ چناں چہ اس دور میں زیادہ سے زیادہ سامان کم سے کم معاوضہ پر حاصل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ رہی۔ یوں انگلستان کی آمدنی میں بھی آئے دن اضافہ ہوتا رہا۔ وہ سرمایا، جو کمپنی نے ہندوستان میں تجارت سے پیدا کیا تھا، انگلستان میں صنعتی انقلاب کا سبب بنا۔ اس سلسلے میں یورپی مبصرین متفق ہیں کہ انگلستان کو اقتدار صرف اس وجہ سے حاصل ہوا کہ بنگال اور کرناٹک کے خزانے اسے استعمال کرنے کا موقع مل گیا تھا، ورنہ اس سے قبل انگلستان کی صنعت زوال پذیر تھی۔ ہندوستان کی دولت کا انگلستان میں جانا اور اس کا ایک صنعتی ملک بن جانا کوئی اتفاقی امر نہیں بلکہ ان دونوں میں علت و معلول کا ایک رشتہ رہا ہے[3]۔ صنعتی انقلاب کا یہ ایک نمایاں نتیجہ نکلا کہ انگلستان کے باشندے زیادہ سے زیادہ ہندوستان کی طرف

متوجہ ہونے لگے اور ان میں ہندوستان سے روابط بڑھانے کا مزید شوق پیدا ہوا۔ نوآبادیات اور مقبوضات کی حکمت عملی اور ان کے طریقۂ کار میں واضح تبدیلیاں لائی گئیں۔ خود کمپنی نے اپنے طریقۂ کار میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں۔ اس تبدیلی کے نقوش وارن ہیسٹنگز (warren Hastings) اور لارڈ کارنوالس (Lord Carnwallis) کے دور میں نظر آتے ہیں۔ ان کے عہد میں نظم ونسق کی از سرِ نو تنظیم ہوئی اور ہندوستان کی نفسیات کے مطالعے کو ضروری سمجھا گیا۔ ان مقاصد کے لیے یہاں کی تاریخ، تہذیب، زبان اور یہاں کے علوم سے واقفیت ناگزیر تھی۔ لیکن تمام محرکات کے پس پشت فی الحقیقت اس کا ایک محرک عیسائیت کی تبلیغ کا جذبہ بھی تھا۔ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں یورپ کے عیسائی، اسلام کے مقابلے پر خاصے آمادہ تھے[4]۔ جیسوٹ (Jesuit) فرقہ، جو مشنریوں میں نہایت منظّم اور فعال تھا، زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہندوستان بھیجا گیا۔ جیسس سوسائٹی (Society of Jesus) کا بانی اگناتیوس لویولا (Ignatius Loyola) مغرب کے مقابلے میں مشرق کی طرف زیادہ متوجہ تھا۔ ہسپانوی ہونے کے سبب اسے مسلمانوں میں تبلیغ کرنے سے زیادہ دل چسپی تھی[5]۔ تبلیغ اور تجارت کے لیے ان زبانوں کا جاننا ضروری سمجھا گیا، جو مخاطب قوموں کی زبانیں تھیں۔

اس سارے دور میں جب کہ یورپی اقوام نے ہندوستان سے تجارت جاری رکھی، ہندوستانی زبانوں، یہاں کی معاشرت اور تاریخ کی طرف ضرورتاً اور مصلحتاً توجہ کی گئی۔ چناں چہ اس ضمن میں یورپ کے مستشرق خاص طور پر پیش پیش رہے۔ انھوں نے ہندوستانی زبانوں، یہاں کے ادب، مذہب اور معاشرت وتاریخ کا بڑی غائر نظر سے مطالعہ کیا۔ اس سے قبل ہندوستان کے بارے میں ان کا علم زیادہ تر بالواسطہ تھا اور یہ اپنی صحت اور وسعت میں نامکمل تھا کیوں کہ اس کا ماخذ قدیم یونانی اور رومی مصنفوں اور کلیسا کے پادریوں کے بیانات، سنی سنائی اور زبانی باتوں پر منحصر تھا۔ ان قدیم مصنفوں کی تحریروں میں صداقت اور افسانے عجیب طرح خلط ملط ہو گئے ہیں۔ زمانۂ وسطیٰ کے مصنفین نے زیادہ تر ان ہی قدیم مصنفوں کی تحریروں کو بہ طور مآخذ استعمال کیا ہے، یہاں تک کہ اِنسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا (*Encyclopedia Britannicia*) کے مضمون نگار بھی حقیقت اور افسانے کا یہ امتزاج پیش کرتے ہیں، لیکن ہندوستان کے بارے میں معلومات کا ماخذ صرف قدیم مصنفین اور کلیسا کے پادریوں تک محدود نہیں تھا۔ پرتگالیوں کے ہندوستان کا راستہ دریافت کرنے سے قبل ہندوستان اور یورپ کے

کئی نقطہ ہائے اتصال تھے۔ تجارت اور سیاحت اس کے اہم محرکات تھے۔ مغربی تاجروں، عیسائی مبلغین اور سیاحوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان تک پہنچتی رہی۔ ان لوگوں نے اپنے سفر کے واقعات اور مشاہدات تحریری شکل میں بکثرت چھوڑے ہیں۔ ہندوستان کے سفر کے سلسلے میں مشہور سیاحوں بارتیما (Barthema)، فیڈریچی (Fedrici)، باربوسا (Barbosa)، فچ (Fitch) اور وان لینشوٹن (Van Linschotn) کے نام اہم ہیں۔ سترہویں صدی میں جو سیاح شہرت کے حامل ہوئے ان میں دیلا والے (Della Valle)، بلد اویس (Baldaeus)، ٹاورنیر (Tavernier)، برنیئر (Bernier)، اور مانڈیلس لو (Mondelslo) کے نام معروف ہیں[6]۔

ہندیات کے مطالعے میں اس قسم کی معاون یا ضمنی کوششیں زیادہ تر انفرادی سطح پر ہوئی ہیں، لیکن ''ایشیاٹک سوسائٹی بنگال'' (Asiatic Society of Bengal) کا قیام ہندیات کے مطالعے کی تاریخ میں ایک نمایاں اور موثر اقدام تھا۔ فی الحقیقت ہندیات کے سائنٹی فک (Scientific) مطالعے کی ابتدا اس کے قیام کے ساتھ وابستہ ہے اور اس لحاظ سے اس کا بانی سر ولیم جونز (Sir William Jones) 'بابائے ہندیات' ہے۔ اس سوسائٹی کے قیام سے نہ صرف استعماری طاقتوں کی تکمیل ہوئی بلکہ اس کے قیام سے علمی دنیا میں چند ایک مثبت انقلابات بھی رونما ہوئے جن سے ایک طرف تو ہندوستان متاثر ہوا اور دوسری طرف اس سے بڑھ کر خود یورپ میں مشرقی علوم کی تحصیل اور ایشیائی اقوام کی تاریخ وتہذیب کے مطالعے سے دل چسپی پیدا ہوئی۔ ہندوستان کے عہدِ جدید کا مطالعہ دراصل ہندوستان میں برطانوی حکمتِ عملیوں اور کارگزاریوں کا مطالعہ ہے۔ حال ہی میں بعض مورخین نے ہندوستان میں برطانوی حکمتِ عملیوں کا مطالعہ یورپ کی علمی تحریکوں کے رشتے سے بھی کیا ہے[7]۔ آج بھی برطانوی مورخین کے نزدیک عہدِ جدید میں ہندوستان کی تاریخ دراصل ''برطانوی ہند کی تاریخ'' ہے۔ برطانیہ کی انتظامی حکمت عملیوں اور تصورات کے تفصیلی مطالعے کے لیے ہندیات کے ارتقا کی تاریخ کا جائزہ بھی ناگزیر ہے۔ عام طور پر یہ حقیقت پیش نظر نہیں رہی ہے کہ اٹھارویں صدی میں مشرقی علوم کے مطالعے کے پس پشت دراصل سیاسی مقاصد کارفرما رہے ہیں اور یہ کہ ہندوستانی معاملات ومسائل پر قلم اٹھانے والوں نے ہمیشہ مستشرقین کی تحقیقات سے استفادہ کیا ہے اور ان کی روشنی میں اپنی حکمتِ عملیوں کو تشکیل دیا ہے۔ ان تمام

مستشرقین میں، جنھوں نے بالخصوص ہندیات کا مطالعہ کیا، جونز کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ وہ اٹھارویں صدی کی برطانوی حکمتِ عملیوں اور ہندیات کے مطالعے کی تاریخ میں ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے ہندوستان کی تاریخ، تہذیب اور معاشرت کے مطالعے کے لیے یہاں ایک منظم کوشش ''ایشیاٹک سوسائٹی'' کے قیام سے انجام دی۔ ہندوستانی تہذیب، زبان اور مذہب و سیاست پر اس کی تحریروں نے یورپ کے ایک خاص پڑھے لکھے طبقے کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ انھیں اس موضوع پر مزید تحقیقات کی ترغیب دی۔ اسے سیاست سے بڑی دل چسپی تھی۔ جب تک وہ انگلستان میں رہا، امریکہ کی جنگ آزادی کا موید اور پارلیمانی اصلاح کا حامی رہا[۸] اور ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے لیے قانون اور حکومت کا ایک واضح نظریہ پیش کیا۔ عام طور پر وہ اربابِ اقتدار سے قریب اور ان کے مشوروں میں شامل رہا[۹]۔ اسے ہندوستان کے عہدِ جدید کی تاریخ میں محض اس وجہ سے اہمیت حاصل نہیں کہ اس نے ہندیات کے ضمن میں بڑی اہم تحقیقات پیش کی تھیں، بلکہ اس کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اس کی تحریروں اور مساعی کے سبب ہندوؤں نے اپنے آپ کو پہچانا اور ہندو قومیت کے عوامل کو ان سے تقویت پہنچی۔ اس کے بعد کے ہندوستان کی تاریخ دراصل دو قومیتوں کی تاریخ ہے، جس میں ہندو اور مسلمان دونوں اپنے اپنے قومی تشخص کا اظہار اب اعلانیہ طور پر کرنے لگتے ہیں۔

جونز ایک ذہین عالم تھا اور اسے زبان دانی کا زبردست ملکہ حاصل تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں جب وہ ۱۷۶۴ء میں آکسفورڈ سے فارغ التحصیل ہو رہا تھا[۱۰] عبرانی، یونانی، لاطینی، فرانسیسی، ہسپانوی، اطالوی، عربی اور فارسی زبانیں جانتا تھا۔ ان کے علاوہ وہ المانوی، پرتگیزی، ترکی، چینی وغیرہ بھی سیکھ چکا تھا[۱۱]۔ اپنی چوبیس سال کی عمر میں اس نے فارسی سے فرانسیسی میں نادر شاہ کی سوانح پر مشتمل ایک کتاب ''تاریخِ نادری'' کا ترجمہ کیا، جو محمد مہدی خاں کی تصنیف تھی۔ اس کے ایک سال بعد وہ حافظ کی سولہ غزلوں کا ترجمہ اور انگریزی میں فارسی زبان کی ایک قواعد لکھ چکا تھا[۱۲]۔ ۱۷۷۰ء سے ۱۷۸۳ء کا عرصہ اس کے لیے تحریر و تصنیف کے اعتبار سے اور علمی حلقوں میں اثرات کے لحاظ سے خاصہ مفید رہا۔ اس مدت میں اس نے متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا جن میں کم از کم نو کتابیں مشرقی علوم سے متعلق تھیں[۱۳]۔ اس عرصے میں وہ ایک مستشرق کی حیثیت سے نمایاں مقام حاصل کر چکا تھا۔ اپنی علمی قابلیت سے قطعِ نظر وہ ایک ممتاز قانون دان بھی سمجھا جاتا تھا، چناں چہ اس کی اس خصوصیت کے پیشِ نظر ۱۷۷۸ء میں اسے ہندوستان میں عدالت

کی منصفی کی پیش کش کی گئی[۱۴] تو اس نے اس پیش کش کو آمدنی اور حیثیت میں اضافے کے خیال سے قبول کر لیا۔ ۱۲ اپریل ۱۷۸۳ء کو وہ کلکتہ کے لیے روانہ ہوا۔ روانگی سے چند دن قبل اسے ''سر'' کا خطاب ملا۔

سفر کے دوران اس نے ذہنی طور پر ایک منصوبہ تشکیل دیا کہ اسے ہندوستان میں رہ کر کیا کرنا ہے[۱۵]۔ وہ ان موضوعات پر خاص طور پر تحقیق کرنا چاہتا تھا:

۱- ہندوستان کے عہد جدید کی تاریخ
۲- ہندوؤں اور مسلمانوں کے قوانین
۳- رسم الخط
۴- لفظوں کے استعمال کی روایات
۵- ہندوستان کا جغرافیہ اور معاصر سیاست
۶- بنگال پر حکومت کے بہتر طریقے
۷- ریاضی، الجبرا اور متفرق علوم
۸- علم طب، کیمیا، جراحی اور علم الابدان
۹- ہندوستان کی معدنیات
۱۰- شاعری، خطابت اور اخلاقیات
۱۱- موسیقی
۱۲- چین کی غنائی نظمیں
۱۳- تبت اور کشمیر کے بارے میں بہتر معلومات
۱۴- ہندوستان کی تجارت، صنعت اور زراعت
۱۵- مغلیہ دستور حکومت
۱۶- مرہٹہ دستور حکومت

ان سولہ امور کو تین حصوں تاریخ، سائنس اور فنون میں تقسیم کر کے ان کے مطالعے کے سلسلے میں وہ خیال کرتا تھا کہ مخطوطات جمع کر کے ان کے جائزے میں مقامی افراد سے مدد لے گا۔ اس وقت تک اس نے کسی 'سوسائٹی' کے قیام کی بابت نہیں سوچا تھا۔

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا قیام:

جونز کو کلکتہ میں، جہاں وہ ۲۵ ستمبر ۱۷۸۳ء کو پہنچا، افسروں کا ایک ایسا گروہ مل گیا جو ہندیات کے مطالعے کا شائق تھا۔ اس گروہ کے بعض افراد بڑے نامور ہوئے۔ ان میں چارلس ولکنس (Charles Wilkins)، نیتھنل ہالہیڈ (Nathaniel Halhed)، جان شور (John Shore)، فرانسس گلیڈون (Francis Gladwin)، جان کرناک (John Carnac)، جوناتھن ڈنکن (Jonathon Duncan) اور ولیم چیمبرس (William Chambers) تھے۔ ان میں سے بیشتر نے ہندیات کے ضمن میں انفرادی طور پر بھی نمایاں کام کیے اور 'ایشیاٹک سوسائٹی' کے قیام اور اس کے جرنل (Journal) کی ترتیب وتحریر میں معاونت کی۔

جونز کی آمد سے قبل اس کی شہرت ونا موری ہندوستان پہنچ چکی تھی[16]۔ اب تک یہاں کسی مستشرق نے ہندوستانیوں کی زندگی اور معاشرت کے مطالعے کی مستقل ومنظم کوشش نہیں کی تھی۔ اس عرصے میں بنگال میں صرف ایک فرد ایسا تھا جس نے ہندیات کے مطالعے کی کوششوں کو سراہا اور سرپرستی کی تھی۔ یہ وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings) تھا جو ۱۷۷۲ء سے بنگال کا گورنر تھا۔ وہ اپنی ابتدائی عمر ہی میں ہندوستان آ گیا تھا اور یہاں کے طویل المدت قیام نے اس ملک کی روایتوں اور رسوم ورواج سے خوب واقف کرا دیا تھا۔ اس نے فارسی اور عربی زبانیں سیکھ لی تھیں[17] اور اپنے شوق کی بنیاد پر ہندوستانی مصوری کے بہت سے شاہکاروں اور مخطوطات کو جمع کیا تھا۔ مقامی لوگوں سے وہ ان ہی کی زبانوں میں بات چیت کر لیتا تھا[18]۔ وہ اپنے ان خطوط میں، جو وہ اپنی بیوی کو تحریر کرتا تھا گیتا کے اقوال نقل کرتا تھا۔ خود جونز نے گیتا کے مطالعے کا شوق ہیسٹنگز کی صحبت میں حاصل کیا تھا[19]۔ ۱۷۷۴ء میں جونز کی فارسی قواعد اس کی نظر سے گزر چکی تھی[20]، چناں چہ یہ امر اس کے لیے فطری تھا کہ وہ ہندیات کے مطالعے کی کوششوں کی سرپرستی کرتا۔ اس نے متعدد و بیشتر مستشرقین کی حوصلہ افزائی کی اور سپریم کونسل (Supreme Council) میں ان کی حمایت کی[21] اور ان سے متعدد مواقع پر بحث مباحثے کیے۔ ولکنس نے اس کی حوصلہ افزائی کے جواب میں اپنی پہلی کتاب کا انتساب اس کے نام کیا۔ شور اور ہالہیڈ نے بھی اس کے لیے اپنی تحریروں اور خطوط میں تشکر کا اظہار کیا۔

ہیسٹنگز کی ان حوصلہ افزائیوں کے پس پشت ایک اور اہم مقصد تھا۔ اس نے ۱۷۷۶ء میں یہ حکمتِ عملی اختیار کی تھی کہ ہندوستانیوں پر ان ہی کے قوانین کے تحت حکومت کرنی چاہیے۔ چناں چہ اس نے چند برہمن پنڈتوں کو 'جنتو قوانین' کا ایک مسودہ فارسی زبان میں مرتب کرنے کا کام سپرد کیا[۲۲] ہندوستان پر حکومت کرنے کے سلسلے میں یہ اس کے ذہن کی ایک رسائی تھی۔ اب یہ موقع قریب آرہا تھا کہ یہاں کی برائے نام سسکتی ہوئی مغل حکومت دم توڑ دے اور صرف انگریزی اقتدار مسلط ہو اور اس مقصد کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہاں انگریزی طریقِ حکومت یا دستور ہی نافذ ہو۔ اس نے ۱۷۸۰ء میں 'کلکتہ مدرسہ' محض اس لیے قائم کیا تا کہ ہندوستانیوں کے سخت ردِ عمل اور تعصب کو نرم کیا جا سکے، جو برطانوی اقتدار کے آئے دن اضافے سے مضطرب اور مشتعل ہو رہے تھے[۲۳]۔ وہ چاہتا تھا کہ برطانوی اقتدار ہندوستانیوں کے اشتراکِ عمل سے پروان چڑھے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ ہندوستانیوں کے مزاج، رسوم و رواج، قوانین اور ادب کے مطالعے کی کوششوں کو مزید پھیلا دیا جائے۔ آئندہ ہالہیڈ اور جونز کے ترجمہ کردہ 'جنتو قوانین' اس کے منصوبے کا ایک حصہ تھے[۲۴]۔

بعد کے حکمران ہندیات کے مطالعے سے بالعموم بے بہرہ رہے۔ گو وہ یہ سمجھتے تھے کہ حکمرانوں کو اپنے محکوموں کے بارے میں معلومات رکھنی چاہییں، لیکن ان میں سے کوئی بھی ہیسٹنگز کی طرح ہندیات کے مطالعے کا سرپرست اور خود شائق نہیں رہا۔ ویسے کارنوالس 'ایشیاٹک سوسائٹی' کے زیادہ تر سالانہ جلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ پھر ہنری ہارڈنگ (Henry Hardinge) اور چارلس ہارڈنگ (Charles Hardinge) بھی اس کے صدر اور برطانیہ کے تمام گورنر جنرل بظاہر اس کے سرپرست رہے۔

۱۷۸۳ء کے آخر تک جونز کا یہ خیال راسخ ہو چکا تھا کہ مشرقی علوم کا باقاعدہ مطالعہ کسی فردِ واحد یا انفرادی طور پر کرنے والے افراد کے ذریعے ممکن نہیں، چناں چہ جنوری ۱۷۸۴ء میں اس نے ایک مراسلہ جاری کیا جس میں اس نے مشرقی علوم کے مطالعے کے لیے کلکتہ میں ایک 'سوسائٹی' کے قیام کا منصوبہ پیش کیا۔ یہ مراسلہ ان تمام لوگوں کے نام تھا جو اس سلسلے میں دل چسپی رکھتے تھے۔ تیس افراد نے اس مراسلے کا جواب اثبات میں دیا اور وہ سب ۱۵ جنوری ۱۷۸۴ء کو کلکتہ کی عدالتِ عظمٰی کے 'جیوری روم' میں جمع ہوئے، جہاں چیف جسٹس سر رابرٹ چیمبرس (Sir Robert Chambers) نے نشست کی صدارت کی اور جونز نے خطبۂ

استقبالیہ پیش کیا، جس میں اس نے ایشیا کی تاریخ، تہذیب، ادب، فنون اور سائنس کے مطالعے کے لیے سوسائٹی کے اغراض ومقاصد بیان کیے۔ اس کے خیال میں ''ایشیا نے علوم کی پرورش کی ہے اور اس نے مفید ولطیف فنون تخلیق کیے ہیں۔ ہم آسانی سے اپنے فاضل اوقات میں ایشیا کے قوانین، مذہب، طریقِ حکومت کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔ یہ اس ملک پر حکومت کرنے کے لیے معاون اور ضروری ہے۔''[۲۵]

اس پہلے اجلاس میں جونز نے یہ قرارداد پیش کی کہ 'سوسائٹی' کے اراکین کے لیے شرائط اور سخت قوانین نہیں ہوں گے۔ ہر ہفتہ 'سوسائٹی' کے اجلاس ہوں گے، اس میں طبع زاد مقالے پڑھے جائیں گے اور ان پر اظہار خیال کیا جائے گا۔ تراجم پڑھنے کی اجازت بھی ہوگی لیکن صرف وہ تراجم جو ہندوستانی مصنفین کی تحریروں پر مبنی ہوں اور ہر سال کے اختتام پر یہ مقالات علمی دنیا کے لیے ترتیب دیئے جائیں گے[۲۶]۔ اس 'سوسائٹی' کو ''ایشیاٹک سوسائٹی'' کے نام سے موسوم کیا گیا اور اسے محض مستشرقین کے لیے مخصوص رکھا گیا۔ اس میں کسی پڑھے لکھے مقامی فرد کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ چناں چہ ۱۸۲۹ء تک اس میں کسی ہندوستانی کو رکن کی حیثیت سے شامل نہیں کیا گیا، لیکن کچھ ہندوستانیوں کے مقالات کو اس کے 'جرنل' میں ضرور شامل کیا جاتا تھا۔

جونز نے اس 'سوسائٹی' کو انگلستان کی 'رائل سوسائٹی' (Royal Society) کے طرز پر روبہ عمل رکھنا چاہا تھا۔ اس اعتبار سے 'رائل سوسائٹی' کے سرپرست کی جگہ اس سوسائٹی، کے لیے اس نے تجویز کیا کہ گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز اس کی صدارت کو قبول کرلے، لیکن ہیسٹنگز نے خود جونز کو صدارت کے لیے آمادہ کرلیا[۲۷]۔ چناں چہ اپنے انتقال (۱۷۹۴ء) تک جونز ہی اس کا صدر رہا۔ دس سال کی اس مدت میں سوسائٹی، کی رکنیت تیس افراد سے شروع ہوئی تھی اور یہ تعداد بعد میں ایک سو دس تک پہنچ گئی۔ ابتداء کی نشستیں ہر ہفتے ہوتی رہیں، لیکن جلد ہی یہ باقاعدگی ختم ہوگئی اور پھر اس کی نشستیں پندرہ روزہ یا پھر طویل مدت کے بعد منعقد ہونے لگیں[۲۸]۔ اس کے سالانہ اجلاس میں، جس میں زیادہ سے زیادہ تیس اراکین حاضر ہوتے، گورنر جنرل اور سپریم کونسل کے اراکین، کمپنی کے اعلیٰ عہدہ دار اور عدالت عظمیٰ کے جج شریک ہوتے تھے۔

'سوسائٹی' کو سرکاری سطح پر ہمیشہ سرپرستی حاصل رہی۔ کمپنی نے ۱۷۸۸ء میں اپنا مطبع سوسائٹی، کو اپنا ''جرنل'' شائع کرنے کے لیے دے دیا تھا۔ ابتدائی دور میں 'سوسائٹی' کی کوئی

عمارت نہیں تھی، اس کی نشستیں عدالت عظمیٰ کے 'جیوری روم' میں ہوتی رہیں[۲۹]۔ حکومت اس بات پر بھی آمادہ تھی کہ وہ 'سوسائٹی' کو ملک کے ضروری حالات سے باخبر کرتی رہے گی۔ ۸/اپریل ۱۷۸۴ء کو گورنر جنرل نے تبت کے بارے میں سیموئیل ٹرنر (Samuel Turner) کی تحریریں 'سوسائٹی' میں پڑھنے کے لیے بھیجی تھیں[۳۰]۔ جان میکفرسن (John Macpherson) نے جو ہیسٹنگز کے بعد بنگال کا گورنر بنا تھا، 'سوسائٹی' کو چند معلومات فراہم کی تھیں۔ اس نے 'سوسائٹی' سے ''کلکتہ مدرسہ'' کے لیے اسلامی قوانین اور روایات سے واقف کسی فرد کو منتخب کر کے بھیجنے کے لیے کہا تھا جو مدرسہ اور طلبہ کی کیفیت سے 'سوسائٹی' کو بھی مطلع کرتا رہے۔ چناں چہ 'سوسائٹی' کی طرف سے ولیم چیمبرس (William Chambers) کو اس کام پر مامور کیا گیا[۳۱]۔

'سوسائٹی' کے مقاصد محض اس طرح پورے نہیں ہو سکتے تھے، اس کے لیے ضروری سمجھا گیا کہ مخطوطات اور ہندو اور مسلمان علماء سے بھی معلومات حاصل کی جائیں۔ اس کے لیے بعض مقامات جیسے بنارس وغیرہ کا دورہ بھی ضروری تھا۔ یہ سب کام جونز کے ذمے کر دیا گیا۔ 'سوسائٹی' نے ایک مہتمم کا بھی انتظام کیا، جو اپنے گھر میں 'سوسائٹی' کے مخطوطات اور کتابوں کی جمع و ترتیب کا کام کرتا رہتا تھا۔ 'سوسائٹی' کے لیے گو دیگر اراکین بھی مقالات لکھتے تھے، لیکن زیادہ تر کام خود جونز نے ہی کیا تھا۔ اس کا ایک کام یہ بھی تھا کہ جو مقالہ نگار کلکتہ سے باہر ہوتے، وہ ان مقالات کو اصلاح کے بعد 'سوسائٹی' کے اجلاس میں پڑھ کر سناتا۔ یہاں تک کہ 'سوسائٹی' کی جانب سے خط و کتابت بھی عام طور پر وہی کیا کرتا[۳۲]۔

جونز کی شخصیت اور اس کی کاوشوں کے سبب 'سوسائٹی' کی شہرت بہت جلد یورپ میں پھیل گئی اور جب ۱۷۸۴ء میں 'سوسائٹی' کے تحت اس کا پہلا تحریری کارنامہ کام دیو کے اقوال کا سنسکرت سے فارسی میں اور پھر فارسی سے انگریزی میں ترجمہ منظرِ عام پر آیا تو اس کی شہرت میں مزید اضافہ ہوا۔ اس کے انتقال تک 'سوسائٹی' نے خاصا اہم اور معیاری کام کر لیا۔ یہ سب کچھ جو اس نے اس وقت تک کر لیا تھا، یورپ کی علمی دنیا کے لیے ایک محرک ثابت ہوا۔

سوسائٹی کے قیام کے فوراً بعد ہی یہ ضروری سمجھا گیا تھا کہ ایک مجلّہ بھی، جو محض ہندیات کے لیے مخصوص ہو، زیادہ فائدہ مند اور موثر ثابت ہوگا۔ چناں چہ ۱۷۸۵ء میں "Asiatick Miscellany" کا اجراء ہوا۔ اس کی ادارت فرانسس گلیڈون (Francis Gladwin) کے

سپرد ہوئی، جو تصنیف و تالیف اور صحافت کا تجربہ رکھتا تھا[۳۳]۔ اس کے مندرجات میں بنیادی طور پر مشرقی ادبیات کے تراجم، قدیم تحریروں کے اقتباسات اور طبع زاد مقالات شامل ہوتے تھے۔ اس کا نام جونز کے افتتاحیہ خطبے سے اخذ کیا گیا تھا۔ لیکن یہ مجلّہ جونز کے تصورات کی تعبیر نہیں تھا۔ وہ ایک ایسا مجلّہ چاہتا تھا جو صرف طبع زاد مقالات پر مشتمل ہو۔ چناں چہ اس کی تجویز کے مطابق جنوری ۱۷۸۹ء میں "Asiatick Researches" کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا۔ اس کا معیار اس وقت کے اچھے سے اچھے جرنل کے برابر تھا۔ اس میں متعدد طبع زاد مقالات شامل تھے اور ان کے انتخاب میں اس امر کو ملحوظ رکھا گیا تھا کہ یہ متنوع بھی ہوں۔ ان مقالات میں ہندوؤں کے مذاہب اور زبانیں، ہندوستانی ادب، رسم و رواج، تبت کا ایک سفر، پٹنہ میں سکھوں کا ایک کالج، جیسے مقالات شامل تھے۔ اس میں کم از کم چار ہندوستانی عالموں، گوبردھن کول، پنڈت رام لوچن[۳۴]، رادھا کانت شرمن[۳۵] اور علی ابراہیم خان[۳۶] کے مضامین میں بھی شامل کیے گئے تھے۔ یورپ میں اس مجلّے کو بہت سراہا گیا[۳۷]۔ جونز کی وفات تک اس کے جتنے شمارے شائع ہوئے، ان میں زیادہ تر مقالات جونز ہی کے تحریر کردہ تھے۔ اپنے مقالات کے لیے معلومات وہ زیادہ تر مخطوطات اور ہندو اور مسلمان عالموں سے گفتگو کے ذریعے حاصل کرتا تھا۔ اس مجلّے کی ہر اشاعت بجائے خود ایک مستقل حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے یہ مستقل طور پر جاری نہ رہ سکا۔ چناں چہ جونز نے ایک ناشر کو اس کی اشاعت پر آمادہ کیا، جو اس شرط پر رسالہ شائع کرنے لگا کہ سوسائٹی کا ہر رکن اس کی ہر جلد بیس روپے میں خریدے گا[۳۸]، ۱۷۹۷ء تک اس کی کل پانچ جلدیں شائع ہو سکیں[۳۹]۔

جونز کے انتقال کے بعد سوسائٹی کو کوئی اور اس جیسا عالم نہ مل سکا لیکن اس نے اپنا وہ کام جاری رکھا، جس کے لیے اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ گو اس کی نشستوں اور اس کے جلسوں کے انعقاد میں تواتر اور باقاعدگی برقرار نہ رہی لیکن اس نے اشاعتی میدان میں خاصہ اہم مذہبی، تاریخی اور ادبی سرمایا فراہم کیا۔ بعد کی تاریخ میں اس کے نمایاں کارناموں میں قدیم اور اہم مخطوطات کی تلاش و جستجو اور اس سے بڑھ کر ان کی تصحیح و ترتیب شامل ہے۔

ولیم جونز کا کام ہندیات پر:

جونز عام طور پر بابائے ہندیات کی حیثیت میں معروف ہے۔ ایک عام فرد کے لیے وہ

اس وجہ سے اہمیت رکھتا ہے کہ اس نے ہند- یورپی زبانوں کی اصل کو ایک قرار دیا، شکنتلا کا ترجمہ کیا اور سنسکرت ادب کو یورپ میں متعارف کرایا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ہندوستان کے بارے میں اس حد تک معلومات حاصل کر لے کہ کسی اور غیر ملکی نے اتنی حاصل نہ کی ہوں[۴۰]۔ جب وہ ہندوستان آیا تھا تو اسے ہندومت اور سنسکرت کی بابت کسی حد تک علم تھا اور وہ سنسکرت نہیں جانتا تھا۔ چارلس ولکنس (C.Wilkins) کے زور دینے پر اس نے سنسکرت کو سیکھنا شروع کیا[۴۱]۔ ستمبر ۱۷۸۵ء تک وہ ہندومت اور سنسکرت کے بارے میں بہت کچھ جان چکا تھا۔ مئی ۱۷۸۶ء تک اس نے سنسکرت سے ترجمے کی کوشش شروع کر دی تھی اور ستمبر ۱۷۸۶ء میں اس نے اپنے آپ کو سنسکرت میں پختہ قرار دے دیا تھا[۴۲]۔ قیام کلکتہ کے چند ہی مہینوں میں جونز اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ سنسکرت، لاطینی اور یونانی زبانوں میں بڑی مماثلت ہے۔ زبانوں کی مماثلت سے جونز نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان زبانوں کے بولنے والے بھی اصل کے اعتبار سے ایک ہیں[۴۳]۔

ہندیات سے متعلق جونز کی تحریریں اس کے غیر معمولی ذہن کا اظہار کرتی ہیں۔ اس کے اہم تراجم میں سے ایک منو کے قوانین کا ترجمہ ہے اور دوسرا کالیداس کا شکنتلا۔ زبان، تاریخ اور مذہب سے قطعِ نظر اس نے ادب اور موسیقی پر بھی قلم اٹھایا اور ہندو فلسفے کے مکاتیب کا تجزیہ کیا۔

Asiatick Researches میں اس کے مقالات اور شکنتلا کا اس کا ترجمہ بہت جلد یورپ کی دوسری زبانوں میں منتقل ہو گئے۔ اس نے فارسی زبان کی قواعد لکھی، جو کم از کم شیراز کی ادبی بولی کو، جو اٹھارویں صدی سے فارسی مخطوطات میں نظر آتی ہے، سمجھنے میں معاون تھی[۴۴]، یہ بنیادی طور پر انگریزوں کے استفادے کے لیے تھی۔ جب وہ ہندوستان آیا تو سنسکرت سیکھنے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا، وہ اسے ولکنس (Wilkins) کا حق سمجھتا تھا[۴۵]۔ یکم مارچ ۱۷۸۵ء تک اسے بنارس سے ایک ''دھرم شاستر'' کا مخطوطہ مل گیا تھا۔ جونز اس کا بغور مطالعہ کرنا چاہتا تھا[۴۶]۔ پھر اس کو منو کے قوانین کا ترجمہ کرتے ہوئے بھی سنسکرت سیکھنے کی شدید ضرورت محسوس ہوئی۔ اس وقت تک اس نے ہندومت پر قلم اٹھانے کے لیے بھگوت پران، یوگ وشٹ اور سنگیت درپن کے توسط سے بہت کچھ مواد جمع کر لیا تھا[۴۷]۔ ۲ فروری ۱۷۸۵ء کو، جب کہ اسے سنسکرت سیکھتے ہوئے بہ مشکل چار مہینے ہوئے تھے، اس نے ہندوؤں پر اپنا ایک مقالہ تیار کر لیا[۴۸]۔ جب وہ ہندوستان آیا تھا تو اس کے پیش نظر ہندوؤں اور مسلمانوں کے قوانین کا ترجمہ بھی تھا۔ ہندو

قوانین کے ضمن میں منو کے قوانین کا ترجمہ اور مسلمانوں کے قوانین کے ضمن میں مسلمانوں کے قوانین وراثت (*The Mohomedan Law of Succession*) اور ''السراجیہ''، کے تراجم اسی تعلق سے اس کی کوششیں ہیں[۴۹]۔ ایشیائی علم بجا پر اس کا مضمون سنسکرت کے مطالعے میں ایک اہم اضافہ تھا[۵۰]۔

ہندومت کا مطالعہ کرتے ہوئے اس نے ابتداء میں فارسی مآخذ کا جائزہ لیا تھا، جیسے محسن فانی کی تصنیف ''دبستان المذاہب''، داراشکوہ کا ترجمہ اپنشد، اور ''دھرم شاستر'' کے فارسی تراجم، اس کے مطالعے میں رہ چکے تھے۔ بعد میں اس نے اصل مآخذ، ان کی اصل زبانوں میں پنڈتوں کی مدد سے پڑھے۔ ہندومت کی دو باتوں نے اسے خاص طور پر اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ ایک تو اس کا تصورِ خدا، جو ثنویت کا حامل نہیں تھا اور انسانی روح کا تصور، جس کو شنکر نے ویدانت کی تشریح کرتے ہوئے پیش کیا تھا، اور دوسرے آواگون۔ جونز کا خیال تھا کہ ایک لحاظ سے ہندومت عیسائیت سے بہتر ہے۔ اسے عیسائیت کے طریق سزا اور اذیت کے دوام پر یقین نہیں تھا۔ اس کے مقابلے میں اسے ہندومت کا تصور آواگون زیادہ عقلی معلوم ہوتا تھا[۵۱]۔

ہندوؤں کی تاریخ کی تدوین میں جونز نے زیادہ تر ''بھگوت گیتا'' کے فارسی ترجمے پر انحصار کیا تھا۔ جان شور (John Shore) نے اسے ''پران ارتھ پرکاش'' بھی فراہم کر دیا تھا[۵۲] جسے پنڈت رادھا کانت نے وارن ہیسٹنگز کے لیے ترتیب دیا تھا[۵۳] اور اس میں مذاہب اور تاریخ کے ضمن میں پرانوں کا نقطۂ نظر بیان کیا گیا تھا۔ رادھا کانت سے جونز کی ملاقات ۱۷۸۷ء میں ہوئی تھی۔ اس سے وہ طویل مباحثے کیا کرتا۔ پنڈت رام لوچن، جو جونز کا استاد بھی تھا اور ایک کشمیری برہمن گوبردھن کول یہ دونوں ہندوستان کی تاریخ کی ترتیب میں جونز کے معاون تھے[۵۴]۔ ۱۷ جون ۱۷۹۰ء کو سوسائٹی کے اجلاس میں اس نے ایک مقالہ بعنوان ''ہندوستانی تاریخ پر ایک ضمیمہ'' (*A Supplementary Essay on Indian Chronnology*) پڑھا۔ اسے اپنے ایک دوست سیموئیل ڈیوس (Samuel Davis) سے ''سوریا سدھانت'' کی ایک نقل ملی تھی جسے اس نے اپنے استاد کی مدد سے پڑھ لیا تھا۔ ہندو اساطیر کے مطالعے میں یہ اس کے لیے بڑی مفید رہی۔ اس کی مدد سے جونز نے ہندوؤں کی تاریخ کے تعین میں بڑی مدد لی تھی۔ کرشن نگر کے دوران قیام میں وہ اپنا زیادہ تر وقت برہمنوں سے ہندو اساطیر، فلسفہ اور ادب پر گفتگو میں صرف کرتا تھا۔ یہیں اس نے نباتات کا بغور مشاہدہ بھی کیا اور ان کی نوع کے

اعتبار سے ان کی اقسام بندی بھی کی، لیکن یہ اس کا کوئی مستقل کام نہیں تھا۔ کرشن نگر میں تو اس کی دل جمعی زیادہ تر ان ہندوؤں کے ساتھ وقت گزارنے میں ہوتی تھی جو اسے جنگجو قوم کا ہندو کہا کرتے تھے[۵۵]۔ یہیں اس نے کرشن نگر کے بچوں کے لیے سنسکرت کی نظمیں ترتیب دیں۔ نثر میں سنسکرت سے ''گیتا گووندا''، یا جے دیو کے گیتوں کے ترجمے نے اسے ہندو ادب سے مزید قریب تر کر دیا[۵۶]۔

شکنتلا کے بارے میں اس کو پہلے پہل ۱۷۸۷ء میں معلومات حاصل ہوئیں۔ یورپ میں ہندوستانی ناٹک کے بارے میں وہ سن چکا تھا اور یہ بھی کہ یہ گیتوں بھری ہندو تاریخ ہوتے ہیں۔ کلکتہ میں رادھا کانت نے ناٹک کی تعریف کرتے ہوئے اسے انگریزوں کے ان ڈراموں سے مماثل کیا تھا جو ان دنوں موسم سرما میں کلکتہ میں دکھائے جاتے تھے۔ چناں چہ اسے بہتر سے بہتر ناٹک دکھانے کی فرمائش پر شکنتلا دکھایا گیا۔ وہ اس سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے شکنتلا کا ترجمہ کرنا چاہا اور اس میں کامیاب ہو گیا۔ اگلے سال ۱۷ اگست کو اس نے یہ ترجمہ پہلے لاطینی میں اور پھر انگریزی میں مکمل کر لیا۔ ۱۷۸۹ء میں کلکتہ میں اس کا پہلا انگریزی ترجمہ شائع ہوا اور ایک سال کے بعد لندن سے دوبارہ شائع کیا گیا[۵۷]۔ اسی دوران اسے عبداللہ ہاتفی کی فارسی مثنوی لیلیٰ مجنوں کا ایک نادر مخطوطہ دستیاب ہوا، چناں چہ اس نے اس کے ترجمے کا بھی ارادہ کر لیا۔ فارسی کے کسی متن کے ترجمے کی یہ اس کی پہلی کوشش تھی۔ ترجمے کے علاوہ اس نے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا جس میں ہاتفی کے اسلوب اور فن سے بحث کی[۵۸]، یہ ترجمہ کلکتہ سے ۱۷۸۸ء میں شائع ہوا۔

جونز نے اپنی تحریروں اور تحقیقات سے مجموعی طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان ریاضی، الجبرا اور منطق میں برتری رکھتا ہے[۵۹]۔ اس کے خیال میں یہ بھی ممکن تھا کہ ارسطو نے منطق کا اپنا نظام برہمنی قیاس سے اخذ کیا ہو۔ اس نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زیادہ تر ہندوستانی اور یورپی اقوام ایک ہی اصل رکھتے ہیں۔ ان کی زبانیں بھی ایک ہی زبان سے مشتق ہیں۔ ہندو اور یونانی دونوں مشترک خداؤں کو مختلف ناموں سے پوجتے ہیں۔ قدیم ہندوستان اور یونانی علمِ افلاک بھی ایک ہی تھا۔ مجموعی طور پر ہندوؤں نے ہندوستان میں آنے اور بس جانے کے بعد انسانی تہذیب کی زیادہ خدمت کی ہے۔ اس نے ایک نئی شہادت بھی فراہم کی کہ شطرنج کا کھیل ہندوستان ہی میں ایجاد ہوا تھا[۶۰]۔ ہندو، اس کے خیال میں بجا

طور پر علم القواعد، اعشاری پیمائش اور شطرنج کی ایجاد پر فخر کر سکتے ہیں۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ آئزک نیوٹن (Issac Newton) کا کل نظریہ اور اس کے فلسفے کا ایک حصہ ویدوں اور حتیٰ کہ صوفیوں کے علوم میں دیکھا جا سکتا ہے۔

جہاں تک ہندیات کے مطالعے کے ضمن میں جونز کی اہمیت اور انفرادیت کا تعلق ہے، اس کا صحیح اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ لیکن اس کی بیشتر کوششیں ایسی ہیں جن پر اسی کے دور میں چند فرانسیسی مستشرقین نے بھی تحقیقات کی تھیں اور جہاں تک علم ہجا کا تعلق ہے یہ اس کا بہت اہم کارنامہ نہیں ہے۔ ہندیات کے مطالعے میں اس کا اصل اور حقیقی کارنامہ فی الحقیقت ایشیاٹک سوسائٹی، کی تشکیل ہے، جس نے ہندوستان کو علمی دنیا سے کما حقہ، متعارف کرایا۔ اس میں بعد میں گو ہندوستانیوں کی مدد بھی بالخصوص ۱۸۶۹ء سے شامل رہی ہے جب سے کہ انھیں اس میں شمولیت کی اجازت مل گئی۔ ویسے اس نے اور اس کی سوسائٹی نے ہندوستانی تاریخ کے مطالعے کے لیے ایک وقیع مثال قائم کی ہے۔ ''گیتا گووندا'' اور ''شکنتلا'' کے اس کے تراجم نے ہندوستانی ادب کو عالمی ادب سے ہمسر کیا۔

جونز سے قبل ہندیات کے مطالعے کی روایت:

عام طور پر ہندیات کے مطالعے کے ضمن میں ایشیاٹک سوسائٹی کو اولیت اور جونز کو بابائے ہندیات تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل اس کی مستقل، عالمانہ اور بلند پایہ تحقیقی کاوشوں کا سبب ہے۔ لیکن اس امر کو، اولیت کے نقطۂ نظر سے، فی الحقیقت درست نہیں کہا جا سکتا۔ جہاں تک ہند۔یورپی زبانوں کی اصل کے تصور کا تعلق ہے، جونز اس کے اظہار میں پہلا شخص نہیں ہے۔ تھامس اسٹونس (Thomes stevens)، ایک جیسوٹ (Jesuit)، جو ۱۵۸۳ء میں ہندوستان آیا تھا، اور فیلپو سیسیتی (Fillipo Sessiti)، ایک اطالوی تاجر، جو ۱۵۸۵ء میں گوا آیا تھا، انفرادی طور پر سنسکرت اور یورپ کی قدیم زبانوں کے مابین باہمی نسبتوں کو ظاہر کر چکے تھے[۶۱]۔ پانڈیچری کا ایک جیسوٹ (Jesuit) کوئرڈو (Fr. Cocurdoux) بھی، جونز کی آمد سے قریباً بیس سال قبل، سنسکرت اور یورپ کی زبانوں کے مابین باہمی نسبتوں کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ ۱۷۶۸ء میں اس نے سنسکرت اور یورپ کی قدیم زبانوں کے مابین رشتوں کو ظاہر کرنے کے لیے الفاظ اور افعال کی ایک طویل فہرست مرتب کی تھی[۶۲]۔ اسی فہرست کو انکیتل دوپیرن

(Anquetil Duperron) نے ۱۸۰۸ء میں شائع کیا تھا[۶۳]۔ دوپیرن خود سات سال تک، ۱۷۵۵ء سے ۱۷۶۲ء تک، ہندوستان میں رہا اور اس نے یہاں فارسی، ملیالم، کنٹری اور سنسکرت زبانیں سیکھیں۔ ہندوستان کے بارے میں اس نے اپنے مشاہدات اور اپنی تحقیقات کو دو جلدوں میں مرتب کیا[۶۴]۔ اپنی تحریروں کے ذریعے اس نے ہندوستانی تہذیب کی برتری کو یورپ پر جتانے کی ایک غیر مربوط سی کوشش کی تھی[۶۵]۔ قریب قریب ایک صدی قبل ولندیزی عالم مارکس زیروس بوکسورن (Marcus Zeurius Boxhorn) نے بھی ہندیورپی زبانوں کی اصل کو مشترک قرار دیا تھا لیکن اس کی تحقیقات شائع نہیں ہوئیں، مگر اس کے ساتھی جارج ہورن (George Horn) کے توسط سے اس کے تصورات سترہویں صدی کے نصف آخر میں یورپ میں مشہور ہو چکے تھے۔ یہ اقدام یورپ میں زبانوں کے تقابلی جائزے کے لیے محرک ثابت ہوا۔ اس کی ایک مبسوط شکل، جونز کے عہد میں، پلاس (P.S Pallas) کا یورپ اور ایشیا کی دو سو زبانوں کا جائزہ تھا، جو اس نے کیتھرین دوم (Catherine II) کی سرپرستی میں ۱۷۸۶ء۔ ۱۷۸۷ء میں مکمل کیا تھا[۶۶]۔

ہندوؤں کی تاریخ کے تعین میں بھی جونز سے قبل ابتدائی نوعیت کا کام ہو چکا تھا۔ الیگزینڈر ڈو (Alexander Dow) کی تاریخ ہندوستان (*History of Hindostan*) تین جلدوں میں لندن سے ۱۷۶۸ء۔ ۱۷۷۲ء میں شائع ہو چکی تھی۔ ڈی اینویل (J.B. d Anville) کا مرتبہ قدیم ہندوستان کا سب سے پہلا جغرافیہ بھی پیرس سے ۱۷۷۵ء میں شائع ہو گیا تھا۔ ۱۷۶۹ء میں مریداس پلائی نے، جو پانڈی چری کی سپریم کونسل میں نگران مترجم تھا، حکومتِ برطانیہ کے مدیر اور سیکرٹری برٹن (M.Bertin) کو ''بھگوت پران'' کا ایک فرانسیسی ترجمہ روانہ کیا تھا۔ رینیل (J.Renuel)، رابرٹسن (W.Robertson) اور جوزف ڈی گائنس (Joseph de Guignes) کی تحریریں اور تحقیقات بھی جونز کے زمانے میں منظر عام پر آ چکی تھیں[۶۷]۔ ایک خیال کے مطابق، جونز نے بالخصوص گائنس کی تحقیقات سے استفادہ ضرور کیا ہوگا کیوں کہ ان دونوں کے نتائج میں بڑی حد تک مماثلت نظر آتی ہے[۶۸]۔

جونز نے ۱۷۹۰ء میں ''شکنتلا'' کا لاطینی اور انگریزی میں جو ترجمہ کیا تھا وہ یقیناً بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن ایسی ہی کچھ اور کوششیں پہلے بھی ہو چکی تھیں۔ ولندیزی مبلغ ابراہم راجر (Abraham Roger) نے پہلے پہل بھرتری ہری کے دو سو اقوال کا ولندیزی میں ترجمہ کیا۔

اس کی کتاب ۱۶۵۱ء میں اس کے انتقال کے دو سال بعد لندن سے شائع ہوئی۔ اس کی کتاب سے مغرب سنسکرت ادب کے نمونوں سے پہلی مرتبہ روشناس ہوا تھا۔ راجر نے ہندو مذہب کے متعلق نہایت قیمتی معلومات اس کتاب میں جمع کی تھیں۔ گو اس کے بعد یورپ میں سنسکرت ادب کی ترقی کچھ عرصے کے لیے رک گئی تھی مگر جستہ جستہ معلومات وقتاً فوقتاً فراہم ہوتی رہیں[۶۹]۔ پھر خود جونز کے عہد میں چارلس ولکنس (Charles Wilkins) ۱۷۸۵ء میں ''بھگوت گیتا'' کا اور ۱۷۸۷ء میں ''ہتوپدیش'' کا ترجمہ کر چکا تھا۔ لیکن یہ ترجمے یورپ کو ہندوستان کے مذہب اور تصورات سے واقف کرانے کے لیے کیے گئے تھے، ان کی ادبی خصوصیت کی وجہ سے نہیں۔ جون نے ''شکنتلا'' کا ترجمہ کیا تو اس دعوے کے ساتھ کہ کالی داس، شیکسپیئر سے کسی طرح کم نہیں، دونوں بحیثیت ڈرامہ نگار اور شاعر یکساں مرتبہ رکھتے ہیں[۷۰]۔

یہ ضرور ہے کہ ہندوستان میں ہندیات کا مطالعہ ایشیاٹک سوسائٹی کے قیام سے قبل انفرادی طور پر ہوتا تھا، لیکن اگر تبلیغی وفود کو، جو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ہندوستان آتے رہے، ایک جماعت یا ایک منظم منصوبے کے حامل گروہ سمجھا جائے تو یہ کوششیں گروہ ہی یا جماعتی بنیادوں پر بھی خاطر خواہ کامیابیوں کے ساتھ ہوتی رہیں۔ عیسائیت کے جیسوٹ (Jesuit) فرقے نے اس سلسلے میں بڑے ذوق و شوق کا مظاہرہ کیا۔ ان کی ان کوششوں کے پس پشت ان کے اپنے فائدے زیادہ تھے۔ ہندوستان میں یہ فرقہ تبلیغ کے کاموں میں بہت منضبط اور فعال رہا۔ اس کے تحت یہاں زیادہ تر نہایت قابل اور لائق افراد بھیجے گئے۔ خصوصاً فرانسس زیویر (Francis Xavier) کی ۱۵۴۲ء میں ہندوستان آمد سے اس کا نہایت جوش اور ولولہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان مبلغین کا طریقۂ کار یہ تھا کہ وہ اپنے نگران یا سرپرستوں کو اپنی کارکردگی کی رودادیں خطوط کی صورت میں ارسال کرتے تھے۔ یہ خطوط اور رودادیں صرف تبلیغی کاموں کے کوائف پر مبنی نہیں ہوتے تھے بلکہ ہندوستانیوں کی سماجی حالت اور تہذیبی روایات کی تفصیلات پر بھی مشتمل ہوتے[۷۱]۔ اس کی ایک مثال جین فرانکوس پونس (Jean-Francois Pons) کے جائزے کی ہے، جو اس نے ۱۷۴۰ء میں اپنے وطن بھیجا تھا[۷۲]۔ اس کو ویدوں کے مندرجات کا علم تھا اور اس نے ہندوستانی ادب پر بھی اظہار خیال کیا تھا[۷۳]۔ مبلغین نے اپنی تبلیغی کوششوں کے ابتدائی مرحلے پر بھی مقامی زبانوں سے واقفیت کی اہمیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ تھامس اسٹیونس (Thomas Stevens)، جو ایک نامور جیسوٹ (Jesuit) عالم تھا، مرہٹی اور

سنسکرت سیکھ چکا تھا۔ ڈی نوبیلی (De Nobili) سنسکرت اور تامل پر عبور رکھتا تھا، اور روتھ (Roth) کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سنسکرت کی ایک قواعد لکھی تھی، جو شائع نہ ہوئی[۴]۔

قدیم مخطوطات کی تلاش و دریافت بھی ان مبلغین کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ سترہویں صدی کے اختتام تک یورپی کتب خانوں میں ہندو مخطوطات کا ایک معتد بہ ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ مثال کے طور پر ۱۶۹۸ء میں ''رامائن'' کے سنسکرت مخطوطات اور اس کے تلگو اور ملیالم میں تراجم پر مبنی مخطوطات، رائل سوسائٹی (Royal society) میں نمائش کے لیے رکھے گئے تھے[۵]۔

۱۷۰۶ء میں ولندیزیوں نے جنوبی ہندوستان میں، جہاں ان کی مستقل سکونت تھی، پروٹیسٹنٹ (Protestant) فرقے کے مبلغ بھیجے۔ انھوں نے بھی یہاں کی تہذیب وتمدن میں دل چسپی لی اور ان کی چھان بین اور تحقیقات میں حصہ لیا۔ اپنی معلومات کو انھوں نے متعدد جلدوں میں طبع کرایا اور انھیں 'برطانوی ادارۂ فروغِ علم' ("British Society for Promoting Christian Knowledge") کو بھیجا جو انھیں اعانت کرتی تھی[۶]۔

تاجروں نے بھی ہندوستان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور انھیں یکجا کرنے کی کوششیں کیں۔ بعض تاجروں نے سفرنامے لکھے اور بعض نے خطوط کے ذریعے یہاں کے بارے میں ضروری معلومات اپنے اپنے وطن بھیجیں۔ اس قسم کی اچھی مثالوں میں ایک فرانسیسی تاجر پیرے سونرے (Pierre Sonnerat) کا سفرنامہ ہے۔ یہ ۱۷۸۲ء میں شائع ہوا۔ مصنف نے اس میں ہندومت کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا تھا۔ گلیشیرے (le Gentil de la Galaisiere) نے ہندستانی علمِ افلاک پر بھرپور معلومات کا حامل ایک مقالہ تحریر کیا[۷]۔ یہ بھی ایک فرانسیسی تاجر تھا۔ اس عہد میں ہندستان سے جس طرح تجارتی سامان اور سرمایہ مختلف ذرائع سے یورپی ممالک میں بھیجا جا رہا تھا، یہی ممالک اپنے تاجروں، سیاحوں اور مبلغین کے ذریعے، مختلف مفادات اور مصلحتوں کے تحت علمی سرمایے کو بھی اپنے پاس سمیٹ رہے تھے۔ چناں چہ یورپ میں صنعتی انقلاب کے ساتھ ساتھ علمی اور ذہنی انقلاب بھی نتیجتاً اس صورت حال کے زیرِ اثر رونما ہوا۔

جونز کے معاصر مستشرقین:

جونز کے دور میں دیگر متعدد مستشرقین کی کاوشوں نے بھی یورپ کو ہندیات سے خاصہ

متعارف کرایا۔ اس کے معاصرین میں جان ہالول (John Zephania Holwell)، الیگزنڈرڈو (Alexander Dow)، چارلس ولکنس (Charles Wilkins)، نیتھینل ہالہیڈ (Nathaniel Brassey Halhed) اور وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings) ممتاز اور نمایاں ہیں۔

جان ہالول ایسٹ انڈیا کمپنی سے طبیب کی حیثیت سے وابستہ ہو کر بنگال میں تعینات ہوا تھا۔ ترقی کرتے ہوئے وہ ایک مختصر مدت کے لیے ۱۷۶۰ء میں بنگال کا گورنر بھی نامزد ہوا[۷۸]۔ نمایاں شخصی خوبیوں کا حامل کہا جاتا ہے اور ذہانت، قابلیت اور شائستگی اس میں یکجا سمجھی جاتی تھیں۔ سنسکرت سے واقف نہیں تھا، لیکن کچھ دوسری ایشیائی زبانیں جانتا تھا۔ مقامی زبانوں میں اردو اور بنگالی سے واقف تھا اور کسی حد تک عربی بھی جانتا تھا۔ ۱۷۶۵ء میں ہندومت کے بارے میں اس کے مطالعے کا پہلا حصہ شائع ہوا[۷۹]۔ ۱۷۶۷ء میں دوسرا حصہ اور ۱۷۷۱ء میں تیسرا حصہ بھی منظرِ عام پر آیا۔ لیکن اسی موضوع پر اس کی ایک اور تصنیف بھی جو زیادہ محنت سے لکھی گئی تھی، ۱۷۸۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کی تحریروں کا جرمنی میں ۱۷۶۷ء میں اور فرانسیسی میں ۱۷۶۸ء میں ترجمہ ہوا[۸۰]۔

الیگزینڈر ڈو ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنگالی فوج سے وابستہ تھا اور اپنی وفات (۱۷۷۹ء) کے وقت وہ کرنل کے عہدے پر فائز تھا[۸۱]۔ ڈراما نگاری سے دل چسپی تھی اور تاریخ سے بھی خاصا شغف تھا۔ تین جلدوں میں ہندوستان کی تاریخ مرتب کی۔ فارسی زبان پر عبور حاصل تھا۔ دو فارسی کتابوں کے ترجمے اس سے منسوب ہیں[۸۲]۔ اس کی تاریخ ہندوستان میں ہندومت کا ایک مفصل مطالعہ شامل تھا۔ اس حصہ کا ۱۷۶۹ء میں فرانسیسی میں ترجمہ ہوا۔

فرانسیسی مفکر اور ادیب والٹیئر (Francois Marie Arouet) ہالول اور ڈو کا معاصر تھا۔ اسے بھی ہندیات سے دل چسپی تھی۔ یہ دل چسپی ۱۷۶۰ء میں پیدا ہوئی تھی، جب اس نے ہندو کتبات کے بارے میں ایک مخطوطے کا مطالعہ کیا[۸۳]۔ والٹیئر نے ۱۷۶۷ء میں ہالول کی تحریروں کا فرانسیسی میں ترجمہ بھی پڑھا اور اس مطالعے سے ڈو کی کتاب کا فرنسیسی ترجمہ بھی گزر چکا تھا۔ ان کے علاوہ ۱۷۶۳ء میں وہ ہندوستان پر برطانوی حکومت سے متعلق لیوک اسکریفٹن (Luke Scrafton) کے تاثرات کا مطالعہ بھی کر چکا تھا[۸۴]۔

نیتھینل ہالہیڈ ۱۷۷۱ء میں کمپنی کی ملازمت اختیار کر کے ہندوستان پہنچا تھا۔ ابتدائی عمر

ہی میں اس نے وسیع مطالعہ کر ڈالا تھا۔ جنتو قوانین کا کیا ہوا اس کا ترجمہ ۱۷۷۶ء میں شائع ہوا اور بنگالی زبان کی قواعد ۱۷۷۸ء میں منظر عام پر آئی[۸۵]۔ وہ وارن ہیسٹنگز کے ساتھ ۱۷۸۵ء میں واپس چلا گیا۔ وہ ایک لائق ماہر لسانیات تھا، جسے زبانوں کے ارتقا سے خاص دل چسپی تھی۔ اس نے فارسی پر عبور حاصل کیا تھا۔ فارسی کے تراجم پر مشتمل متعدد مقالات بھی تحریر کیے۔ وہ پہلا انگریز تھا جس نے نہ صرف بنگالی زبان سیکھی بلکہ اس میں مراسلت بھی کی۔ اس نے بنگالی اور سنسکرت کے مشترک عناصر کی نشاندہی بھی کی۔ اس نے سنسکرت پر بھی دسترس حاصل کر لی تھی اور اس کے مخطوطات کا اچھا خاصا ذخیرہ بھی جمع کر لیا تھا۔ جونز سے قبل ۱۷۷۹ء میں اپنے ایک مسودے میں اس نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ سنسکرت میں فارسی اور عربی بلکہ لاطینی اور یونانی زبانوں کے الفاظ مشترک ہیں[۸۶]۔

چارلس ولکنس، جسے سنسکرت کے مطالعہ کا بانی کہا جاتا ہے[۸۷] بیس سال کی عمر میں کمپنی کا ملازم ہو کر بنگال آیا تھا۔ یہاں اسے ہالہیڈ کے قریب رہنے کا موقع ملا۔ ہالہیڈ نے ۱۷۷۸ء میں اسے سنسکرت سیکھنے کی ترغیب دی[۸۸] چناں چہ اس نے اتنی زیادہ دل چسپی لی کہ ۱۷۷۹ء میں اس کی ایک قواعد بھی مرتب کر ڈالی[۸۹]۔ یہ پہلا انگریز ثابت ہوا جو سنسکرت میں مہارت رکھتا تھا۔ مشرقی علوم سے بھی اس حد تک دل چسپی لینے لگا تھا کہ مقامی زبانوں پر مشتمل ادب کی اشاعت کے لیے مطبع قائم کیا[۹۰] جس میں فارسی اور بنگالی حروف کے ٹائپ کو بھی رواج دیا۔ یہ خود ولکنس کی اختراعی کوششیں تھیں[۹۱]۔ اس نے ۱۷۸۷ء میں جب کہ وہ انگلستان واپس جا چکا تھا، ناگری حروف کا ٹائپ بھی تشکیل دیا۔ اس کے مشرقی علوم کے ذوق کی تعمیر میں وارن ہیسٹنگز کو بھی دخل حاصل تھا۔ ہیسٹنگز کی ترغیب پر ہی اس نے ''مہابھارت'' کا ترجمہ شروع کیا اور اس کام کے لیے بنارس گیا۔ ۱۷۸۴ء میں جب ہیسٹنگز نے بنارس کا دورہ کیا تو ولکنس کو اس نے ''بھگوت گیتا'' کا ترجمہ علاحدہ کر کے شائع کرنے کے لیے کہا۔ اس کے دوسرے سال یہ ترجمہ انگلستان سے شائع ہوا۔ ہیسٹنگز نے ولکنس کو منو کے قوانین کے ترجمے پر مامور کیا تھا۔ اسی نے منو کے قوانین، پنڈتوں کے ذریعے سنسکرت سے فارسی میں منتقل کرائے تھے۔ اس فارسی ترجمے سے انگریزی ترجمے کا کام ولکنس نے شروع کیا جو مکمل نہ ہو سکا۔ اس نے باقی کام جونز کے سپرد کر دیا، جسے جونز نے ۱۷۸۴ء میں مکمل کیا اور اسی سال یہ شائع ہوا[۹۲]۔ ۱۷۸۷ء میں ولکنس نے ''ہتوپدیش'' کا ترجمہ بھی شائع کرایا، جو ''پنچ تنتر'' کا ایک حصہ ہے۔ ''پنچ تنتر''

یورپ میں فارسی کے توسط سے پہلے ہی سے مشہور تھا[۹۳]۔ ۱۷۸۷ء ہی میں ''گیتا'' کا ایک فرانسیسی ترجمہ بھی ہوا۔ معروف جرمن مستشرق ہرڈر (Johann Gottreied Hereder) نے ولکنس کے ترجموں کی مدد سے ''ہتوپدیش'' اور ''گیتا'' کا ترجمہ اور راجر (Abraham Roger) کے بھرتری ہری کے مذکورہ ترجمے کا جرمن میں ترجمہ کیا[۹۴]۔

سنسکرت کے ماہرین میں ولکنس کے ساتھ ساتھ کولبروک (H.T.Colebrooke) کا نام بھی اہمیت رکھتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی علمیت اور اپنے مقالات کے لحاظ سے جونز کے بعد شمار کیا جاتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے جونز کے انتقال کے بعد اس کی جگہ ایشیاٹک سوسائٹی میں اسی کو منتخب کیا گیا[۹۵]۔ ہیسٹنگز کے دور میں بالعموم ان کوششوں کی سرپرستی ہوئی۔ اس کے سیکرٹری ولیم ڈیوی (William Davy) نے، جو فارسی پر عبور رکھتا تھا، مشرقی مخطوطات پر مشتمل ایک نجی کتب خانہ ترتیب دیا تھا[۹۶]۔ فرانسس گلیڈون (Francis Gladwin) نے ''آئین اکبری'' کا ترجمہ کیا جو ۱۷۸۳ء۔ ۱۷۸۶ء میں شائع ہوا۔ گلیڈون بھی ہیسٹنگز کی سرپرستی میں رہا[۹۷]۔ ''آئین اکبری'' کے علاوہ اس نے ۱۷۸۸ء میں سعدی کے ''پند نامہ'' کا ترجمہ کیا۔ اسی کے ساتھ اس نے عبدالکریم کشمیری کے ''بیان واقع'' کا ترجمہ کیا۔ ان کے علاوہ مزید کئی کتابیں ترجمے میں اس سے منسوب ہیں[۹۸]۔ جوناتھن اسکاٹ (Jonathan scott) نے ''تاریخ ارادت خان'' کا فارسی سے ترجمہ کیا، جو ۱۷۸۶ء میں شائع ہو۔ اس کے علاوہ اس نے ''تاریخ فرشتہ'' کے اس حصے کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو دکن کے بارے میں تھا[۹۹]۔ رابرٹ اورم (Robert Orme) نے "Historical Fragments of the Mughal Empire" تحریر کی جو لندن سے ۱۷۸۲ء میں شائع ہوئی۔ فرینکلن (Franklin) نے ۱۷۹۸ء میں شاہ عالم ثانی کے عہد کی تاریخ لکھی، جو لندن سے شائع ہوئی۔ اورنگ زیب کے ابتدائی دس سالوں کی تاریخ ونسی ٹارٹ (H.Vansittart) نے لکھی، یہ کلکتہ سے ۱۷۸۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ سب کتابیں اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں شائع ہوئیں۔ اس عرصے میں ہندوستانی تاریخ نویسی میں اصل ماخذ اور متن کے ترجموں اور ان کی تدوین پر خاص توجہ دی گئی[۱۰۰]۔

ایشیاٹک سوسائٹی کے اثرات:

جونز اور اس کے معاصرین کی تحقیقات کے نتیجے میں یورپ کی علمی دنیا نے ہندوستان کی

طرف خاص توجہ دی۔ ۱۷۶۰ء کے بعد سے ہندوستان کے بارے میں عام طور پر کتابیں لکھی جانے لگیں لیکن پھر بھی ان کتابوں کے عام قاری ان کتابوں میں ہندوستان سے تقابل کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی حد تک احساسِ کمتری کا شکار ہوتے ہیں[۱۰۱]۔ ہندومت پر مستشرقین کے خیالات کو ردِ عمل کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ یہ ردِ عمل کلیسا کی جانب سے تھا[۱۰۲]۔ یہ رویہ صرف انگلستان یا یورپ ہی میں رونما نہیں ہوا، ۱۷۸۰ء میں ہندوستان کے پادریوں نے اپنے اپنے ملک کے کلیساؤں کو ہندومت کے خلاف تردیدی بیانات بھیجنے شروع کیے تھے[۱۰۳]۔ چارلس گرانٹ (Charles Grant) ہندوستان میں اس رویے کی نمائندہ مثال ہے۔[۱۰۴]

اس سے قطع نظر سوسائٹی کے قیام اور جونز اور اس کے معاصر مستشرقین کی تحقیقات کے خاصے مثبت نتائج بھی سامنے آئے۔ یورپ کے متعدد علماء نے سوسائٹی میں شمولیت کی خواہش ظاہر کی[۱۰۵]۔ ڈاکٹر رابرٹ واٹسن (Robert Watson)، پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی نے یہ تجویز پیش کی کہ کیمبرج یونیورسٹی میں مشرقی علوم کا ایک ادارہ قائم ہونا چاہیے[۱۰۶]۔ یہ سوسائٹی کی کارکردگی کا ایک فوری اثر تھا۔ بعد میں برطانیہ کی ''رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن'' اسی کے زیر اثر ۱۸۲۳ء میں قائم ہوئی۔ خود ہندوستان میں ایشیاٹک سوسائٹی کی طرح بمبئی اور مدراس میں بھی اسی قسم کی انجمنیں قائم ہوئیں[۱۰۷]۔ یورپ کے جن علماء کو ہندیات سے دل چسپی تھی وہ یورپ ہی میں مقیم تھے، سوسائٹی کے ارکان سے ہندیات کے متعلق استفسار کرنے لگے[۱۰۸]۔ سوسائٹی کے تحت تقابلی لسانیات کے جائزوں سے اس علم میں سائنٹیفک دور کا آغاز ہوا۔ اٹھارویں صدی کے آخر سے یہ علم قدیم اور وسطی لسانیات کے دور سے جدید دور میں داخل ہوتا ہے۔ اس ارتقا کے پس پشت دو عوامل تھے۔ مغربی اقوام نے اپنے علوم کے دائرے کو وسیع کیا اور اب وہ مشرقی زبانوں سے واقف تھے اور دوسرے انھوں نے خود تجربات سے زبان کے مطالعے کے زیادہ سائنٹیفک طریقے وضع کیے۔ افکار اور خیالات میں بھی یورپ خصوصاً فرانس اور جرمنی ہندوستان سے بہت متاثر ہوئے۔ گوئٹے اس کی ایک بہت نمایاں مثال ہے۔ مشرق سے اس کی دل چسپی بہت پرانی تھی۔ ہندو تہذیب کا مطالعہ اس نے ابتدائی عمر ہی میں شروع کیا تھا[۱۰۹] لیکن وہ اس سے بہت جلد متنفر بھی ہوگیا، اس کے باوجود اس نے کالیداس کے ڈرامے ''شکنتلا'' کی تعریف کی اور وہ اس ڈرامے کے ذریعے کالیداس کے افکار سے متاثر

ہوا۔ فاؤسٹ (Faust) اس کی ایک مثال ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے حصے کا آخری کورس (Chorus) ہندوستانی فکر کا مظہر ہے۔ گوئٹے کے علاوہ ''شکنتلا'' کے ترجمے سے متاثر ہونے والوں کی فہرست میں معروف شخصیات کے مزید نام شامل ہیں[۱۱]۔ ایک عام علمی دنیا پر اس کا یہ نمایاں اثر ہوا کہ اس کے قیام سے علمی تحقیق میں تخصیص (Specialization) کے دور کی ابتداء ہوئی۔

ہندوستان میں بھی اس کے اثرات بڑے دور اور ہمہ گیر ثابت ہوئے۔ ہندومت کے مطالعے کا ذوق عام ہونے کے نتیجے میں عیسائیت کے تبلیغی اداروں میں جو ردعمل شروع ہوا، اس کا ایک فطری تقاضا تھا کہ ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ زیادہ زور وشور سے کی جائے۔ چارلس گرانٹ (Charles Grant) کو، جو اس وقت کمپنی کی کل تجارت کا نگران اور تبلیغی جذبات کا حامل تھا، عیسائیت کے نفاذ سے ہندوستانی معاشرے کی اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی[۱۱]۔ بیس سال ہندوستان میں رہ کر وہ ۱۷۹۰ء میں واپس چلا گیا۔ اب وہ اس حیثیت اور اثر ونفوذ کا حامل تھا کہ اس کے زیر اثر ۱۷۹۳ء میں کمپنی کا ترمیم شدہ مسودۂ قانون منظور ہوا[۱۲]، جو اس کی خواہشات کے عین مطابق تھا۔ اس قانون کے تحت بکثرت تبلیغی وفود ہندوستان بھیجے گئے[۱۳]۔ ۱۷۹۱ء میں سنسکرت کالج بنارس، کا قیام اس حکمت عملی کا ایک توسیعی منصوبہ تھا تاکہ عیسائی مبلغ اس میں داخل ہوکر ہندوستان کی زبانوں، تہذیب اور مذہب سے واقفیت حاصل کریں اور ان کا باضابطہ درس لیں۔ عیسائی تبلیغی اداروں نے، جو حکومت پر اپنا واضح اثر بھی رکھتے تھے، حکومت کو مجبور کیا کہ اس کے قائم کردہ اسکولوں اور کالجوں میں انگریزی زبان اور مغربی علوم بھی نصاب کے طور پر رکھے جائیں، تاکہ مقامی افراد ان کی بات آسانی سے سمجھ سکیں[۱۴]۔ وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings) کی جانب سے ۱۷۸۰ء میں کلکتہ مدرسہ کا قیام اس کی دور اندیشی کا ثبوت تھا، لیکن فورٹ ولیم کالج (Fort William College) کا قیام حکومت پر تبلیغی اداروں کے اثرات کو بہتر صورت میں ظاہر کرتا ہے[۱۵]۔ مقامی زبانوں بالخصوص اردو، ہندی، فارسی، بنگالی کے مطالعے اور تدریس کے لیے اس کالج کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ ایشیاٹک سوسائٹی کے بعض ارکان اس میں درس وتدریس کے لیے بھیجے گئے۔ اس کے اساتذہ میں جان گلکرسٹ (John Brothwick Gilchrist) نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ اس کالج سے وابستگی سے قبل تک وہ ہندوستانی زبانوں سے متعلق متعدد اہم

کام کر چکا تھا[۱۱۶]۔ اس ضمن میں ایسے افراد کی فہرست نہایت طویل ہے جنھوں نے زیادہ تر ہندوستان ہی میں رہ کر، گلکرسٹ کی طرح ہندوستانی زبانوں کی قواعد لکھی، لغات ترتیب دیں، زبانوں کے ارتقا کا جائزہ لیا یا مغربی زبانوں سے مقامی زبانوں میں تراجم کیے[۱۱۷]۔

ہندوستانی معاشرے کے مختلف طبقات میں برطانوی حکمتِ عملی کی فتح مختلف اور بعض اوقات متضاد قسم کے رجحانات کی پرورش کا باعث ہوئی۔ انگریزوں نے ہندیات کے مطالعے کے فروغ کے لیے بڑی دوراندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے ہندوستانیوں کے قوانین، زبانوں، تہذیبوں اور مذاہب سے واقفیت کو نہایت درجہ اہمیت دی تھی، لیکن اس کا ایک اور نتیجہ ہندوستانیوں کے لیے بھی بڑا دوررس اور انقلاب انگیز ثابت ہوا۔ انگریزوں نے اپنے فوائد کے لیے اور بظاہر ہندوستانیوں کے علوم کی ترقی کی خاطر، جو ادارے قائم کیے وہ ہندوستان میں قومی اور سیاسی شعور کی بیداری کا سبب بھی بنے۔ ہندوؤں نے مجموعی طور پر انگریزی حکومت اور مغربی تعلیم کا خیر مقدم کیا تھا، لیکن اس وقت کی صورت حال میں مسلمان انگریزوں سے مذہبی اور سیاسی اعتبار سے کبھی مفاہمت پر آمادہ نہ ہو سکتے تھے۔ چناں چہ ان کا انگریزی اور مغربی علوم سے دور رہنا یقینی امر تھا۔ وہ اپنی تہذیب سے دور نہ ہو سکے اور ان کے مقابلے میں ہندو مغربی تعلیم سے بہرہ مند ہوئے اور ان میں اپنے مذہب کے احیاء اور اس کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہوا، جو دراصل ان کے قومی شعور کی بیداری کا مظہر ہے۔ یہ صورت حال ہندوؤں اور مسلمان دونوں کے لیے نتائج کے اعتبار سے اپنے اپنے قومی تشخص کی بازیافت اور علیحدہ قومی احساس کا سبب بنی۔

حواشی

۱۔ Indology

۲۔ فلپس، سی۔ایچ۔ "*The East India Company*" میں انھیں متعدد مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے، خصوصاً ص ۵، ۸، ۲۳، ۲۴، ۲۸۔

۳۔ بروک، آدم "*The Law of Civilization and Decay*" ص ۲۵۹۔۲۶۰؛ و نیز تفصیلات کے لیے، نہرو "*Discovery of India*" ص ۲۴۳۔۲۴۴۔

۴۔ مارشل، ''The British Discovery of Hinduism'' مقدمہ، ص ا۔
۵۔ مکر جی، ایس۔ این۔ ''Sir William Jones''، ص ۹۔
۶۔ ان تحریروں کا سرسری جائزہ: رے ٹی، آرتھر ایف۔ جے ''ایران و ہندوستان کا اثر جرمنی کی شاعری پر'' ص ا۔۵ میں ہے۔ خصوصاً سفرناموں کے لیے: ص ۵۔۸، ۱۸۔۲۰؛ زبان وادب کے لیے: ص ۲۱۔۲۲؛ ہندو مذہب کے لیے: ص ۲۳۔۲۶۔
۷۔ مثال کے طور پر اسٹ کوس ''The English Utilitarians and India'' ص XIII-XII ونیز بلہا چٹ ''Social Policy and Social Change in India'' مفصل ہے۔
۸۔ انگلستان میں اس کی سیاسی زندگی کے احوال کے لیے کینن ''Oriental Jones'' بالخصوص ص ۶۰۔۸۷ وغیرہ، مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۴۹۔۷۲۔
۹۔ مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۲۔۳۔
۱۰۔ تفصیلات کے لیے، کینن، تصنیف مذکور، ص ا۔۱۳، مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۱۷۔۲۰، آربری ''Oriental Essays'' ص ۴۸۔۵۱۔
۱۱۔ کینن نے ۹۲ زبانوں کی فہرست درج کی ہے، تصنیف مذکور، ص ۱۵۴۔
۱۲۔ حافظ کی غزلوں کا ترجمہ پہلے پہل قواعد میں شامل تھا، لیکن بعد میں علیحدہ کر کے اصل غزلوں کے ساتھ شائع کیا گیا۔ ایضاً، ص ۳۰۔
۱۳۔ مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۳۵۔
۱۴۔ ایضاً، ص ۳۴، ۴۷۔
۱۵۔ ایضاً، ص ۴۷، ونیز کینن، ص ۱۱۳۔
۱۶۔ مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۷۸۔
۱۷۔ میکالے، ''Critical and Historical Essays''، ص ۴۸۲۔
۱۸۔ ایضاً، ص ۴۸۳۔
۱۹۔ مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۸۹۔
۲۰۔ جونز نے، جب وہ لندن ہی میں تھا، یہ کتاب اسے ۳۰ مارچ ۱۷۷۴ء کو بھیجی تھی۔ آربری، تصنیف مذکور بالا، ص ۵۱۔
۲۱۔ مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۷۹۔
۲۲۔ آربری، تصنیف مذکور بالا، ص ۶۴۔
۲۳۔ لائرڈ ''Missionaries and Education in Bengal''، ص ۶۰۔
۲۴۔ مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۷۹۔۸۰؛ جونز کے ترجمے کے لیے، کینن، تصنیف مذکور، ص ۱۸۷۔

۲۵۔ مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۸۱۔
۲۶۔ ایضاً، ص ۸۲۔
۲۷۔ ایضاً، ص ۸۳۔۸۴، کینن، تصنیف مذکور، ص ۱۱۸، کینن کا ایک حالیہ مقالہ: *The Indian Affairs of W.Jones*، ص ۲۸۰۔۲۹۴، جونز اور ہندوستان کے تعلق سے مفصل ہے۔
۲۸۔ مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۸۴۔۸۵۔
۲۹۔ بالآخر ۱۸۰۵ء میں سوسائٹی کی عمارت کے لیے حکومت نے ایک مناسب جگہ سوسائٹی کو بلا قیمت دے دی۔ سوسائٹی کے اراکین نے اپنے ذاتی چندے سے اس کی عمارت تعمیر کرائی۔ آج بھی کلکتہ میں موجودہ پارک اسٹریٹ پر سوسائٹی کا دفتر اور اس کا قیمتی اور نادر کتب خانہ موجود ہے۔
۳۰۔ ایضاً، ص ۸۵۔
۳۱۔ ایضاً۔
۳۲۔ ایضاً۔
۳۳۔ ایضاً، ص ۸۷۔
۳۴۔ یہ جونز کو سنسکرت پڑھایا کرتا تھا۔
۳۵۔ پنڈت تھا اور ہیسٹنگز اور جان شور کے ساتھ کام کرتا تھا۔
۳۶۔ یہ اس وقت بنارس میں تھا، وہیں اس کی ملاقات جونز سے ہوئی، مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۸۹۔ بنارس سے واپسی کے بعد جونز اور اس کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہی۔ ایک شاعر، عالم اور منتظم اور کمپنی کا ملازم تھا۔ ہندوستانی شاعروں کا ایک تذکرہ ''تذکرۂ گلزار ابراہیم'' اس سے یادگار ہے۔ مصنف نے اس میں خود اپنے بھی حالات تحریر کیے ہیں۔ مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۳۴ء، دیگر تصانیف اور حالات زندگی کے لیے: ''مخطوطات انجمن ترقی اردو'' جلد اول، ص ۱۲۰۔۱۲۲۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری ''اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری'' ص ۱۹۲۔۱۹۴ سے مآخذ کا علم ہوتا ہے۔ ''*Asiatick Researches*'' میں اس کا مقالہ بعنوان ''*Trial by Ordesl*'' شامل تھا۔ اس مقالے اور علی ابراہیم خان پر مزید تفصیلات کے لیے، راقم کا مقالہ: ''علی ابراہیم خان: کمپنی کے دورِ ملازمت کی ایک نادر تحریر''، مشمولہ: راقم ''نوادراتِ ادب''، مکتبہ الوقار، لاہور، ص ۸۱۔۱۰۶
۳۷۔ جلد ہی یہ فروخت ہوگیا، چناں چہ اس کا ایک دوسرا ایڈیشن لندن سے شائع کیا گیا۔ پھر اس کا یورپ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ بھی ہوا۔ مکر جی، تصنیف مذکور، ص ۸۸۔۸۹
۳۸۔ کوف، ڈیوڈ، ''*British Orientalism and the Bengal Renaissance*''، ص ۳۱۔
۳۹۔ ایضاً، ۱۸۳۹ء تک اس کی کل بیس جلدیں شائع ہوئیں۔ عتیق صدیقی، ''ہندوستانی اخبار نویسی،

کمپنی کے عہد میں'' ص ۸۱؛ ''ایشیاٹک سوسائٹی بنگال'' کے کتب خانے اور نیشنل لائبریری، کلکتہ میں اس کی تمام جلدیں محفوظ ہیں۔ اسی دوران ۱۸۳۲ء میں اس سوسائٹی کے تحت ایک اور مجلّہ ''The Journal of Asiatick Society Culcutta'' کا اجراء ہوا۔ اس عرصے میں ''Asiatick Researches'' بھی نکلتا رہا۔ لیکن بالآخر ۱۸۳۹ء میں یہ جرنل میں ضم ہو گیا۔ اسی طرح کلکتہ سے نکلنے والا ایک اور مجلّہ ''Indian Review and Journal of Foreign Studies'' بھی اس جرنل میں ضم کر دیا گیا۔ اس کا اجراء ۱۸۳۴ء میں ہوا تھا۔ لیکن ۱۸۴۷ء تک اس کی صرف آٹھ جلدیں شائع ہوئی تھیں۔ ایضاً۔

۴۰۔ آربری، تصنیف مذکور بالا، ص ۶۶۔
۴۱۔ ایضاً، ص ۶۵، مارشل تصنیف مذکور، ص ۱۴۔
۴۲۔ جونز، ولیم، ''On the Hindus''، مشمولہ: ''Asiatick Researches''، جلد اول، ص ۲۵۲۔۲۵۳۔
۴۳۔ تفصیلات کے لیے، مارشل، تصنیف مذکور، ص ۱۵، کینن، تصنیف مذکور، ص ۱۴۰۔۱۴۱۔
۴۴۔ مکرجی، تصنیف مذکور، ص ۹۴۔
۴۵۔ ایضاً۔
۴۶۔ ایضاً۔
۴۷۔ ایضاً، ص ۹۵۔
۴۸۔ ''On the Hindus''، ص ۴۱۴۔۴۳۲۔
۴۹۔ کینن، تصنیف مذکور، ص ۱۲۹۔
۵۰۔ ''Asiatick Orthography''، مشمولہ: ''Asiatick Researches''، جلد اول، ص ۱۔۵۶۔
۵۱۔ مکرجی، تصنیف مذکور، ص ۱۱۸۔۱۱۹۔
۵۲۔ ایضاً، ص ۱۰۲۔
۵۳۔ ایضاً۔
۵۴۔ ایضاً۔
۵۵۔ کینن، تصنیف مذکور، ص ۱۶۳۔
۵۶۔ ایضاً، ص ۱۶۰۔
۵۷۔ مکرجی، تصنیف مذکور، ص ۱۱۵، آربری، تصنیف مذکور بالا، ص ۶۹۔
۵۸۔ کینن، تصنیف مذکور، ص ۱۵۰۔

۵۹ ہندوستان سے متعلق اس کی تحریروں کی ایک طویل فہرست، مکرجی، تصنیف مذکور، ص ۱۸۲۔۱۸۳ میں ہے۔ انتخاب کے لیے، مارشل، تصنیف مذکور، ص ۱۹۶۔۲۸۹۔
۶۰ مکرجی، تصنیف مذکور، ص ۱۱۷، تفصیلات کینن نے بیان کی ہیں، تصنیف مذکور، ص ۱۷۰۔۱۷۱۔
۶۱ مکرجی، تصنیف مذکور، ص ۹۵۔
۶۲ ایضاً، ص ۹۶۔
۶۳ بریل، ایم، ''*Grammaire Comparee des Langues Indo-Europeennes*''، مقدمہ ص XVIII-XVII۔
۶۴ ہندوستان کے تعلق سے اس کے مقالے تین جلدوں پر مشتمل ہیں۔ جس میں سے دوسری جلد ''ہندوستان میں تاریخی اور جرافیائی تحقیقات''، ''*Researches Historiques et Geographiques Sur L Inde*'' مطبوعہ پیرس، ۱۷۸۷ء اور تیسری جلد ''ہندو یورپی روابط''، ''*L Inde en rapport avee L Europe*'' مطبوعہ پیرس، ۱۷۹۸ء۔ اہمیت کی حامل ہیں۔ پہلی جلد سفرنامے اور مشاہدات کا مجموعہ ہے۔
۶۵ ڈوگن، ایم۔ ایل۔ ایس۔ ''*Unquetil-Duperron et ses Successerrs*''، ص ۱۶۔
۶۶ مکرجی، تصنیف مذکور، ص ۹۳۔
۶۷ ان کے تنقیدی جائزے کے لیے، مکرجی، تصنیف مذکور، ص ۹۵۔۹۶، مکرجی نے چند مباحث پر خاص توجہ دی ہے۔
۶۸ تفصیلات کے لیے، ایضاً، ص ۱۰۵۔۱۰۷۔
۶۹ اس کی کچھ مثالیں رے می، تصنیف مذکور، نے درج کی ہیں، ص ۲۴، ادب وشعر کے اثرات کے لیے، ص ۲۵۔۳۰۔
۷۰ کینن، تصنیف مذکور، ص ۱۴۹۔
۷۱ مارشل، تصنیف مذکور، ص ۱۸۔
۷۲ ایضاً۔
۷۳ ایضاً۔
۷۴ مکرجی، تصنیف مذکور، ص ۱۰۔
۷۵ مارشل، تصنیف مذکور، ص ۱۸۔
۷۶ ایضاً، ص ۲۱۔
۷۷ ایضاً، مصنف نے یہاں کچھ مزید حوالے بھی دیے ہیں، ونیز کچھ مزید تفصیلات رے می، تصنیف مذکور، ص ۶۔۱۰، ۱۲، ۱۴۔۱۶، ۱۹ میں ہیں۔

۷۸۔ بکلینڈ، سی۔ ای۔ ''Dictionary of Indian Biography''، ص۲۵۔۲۶۔
۷۹۔ مارشل، تصنیف مذکور، ص۶۔
۸۰۔ ایضاً، ص۷۔۸۔
۸۱۔ بکلینڈ، تصنیف مذکور، ص۱۲۲۔
۸۲۔ مارشل، تصنیف مذکور، ص۷۔
۸۳۔ ایضاً، ص۸۔
۸۴۔ ایضاً۔
۸۵۔ بکلینڈ، تصنیف مذکور، ص۱۸۵۔
۸۶۔ مارشل، تصنیف مذکور، ص۱۰۔
۸۷۔ آربری، ''British Contribution to Persian Literature''، ص۱۴؛ اسے سنسکرت میں اعلیٰ قابلیت کی بنیاد پر آکسفورڈ یونیورسٹی سے ۱۸۰۵ء میں D.C.L. اور ۱۸۳۳ء میں سر کا خطاب دیا گیا۔ کوف، تصنیف مذکور، ص۲۸۔
۸۸۔ مارشل، تصنیف مذکور، ص۱۰۔
۸۹۔ بکلینڈ، تصنیف مذکور، ص۴۵۱۔
۹۰۔ ایضاً۔
۹۱۔ عبداللہ یوسف علی، ''انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ''، ص۴۷۔
۹۲۔ آربری، ''Oriental Essays''، ص۶۴، کیتھ نے اسے پھر بھی نامکمل ہی قرار دیا ہے، تصنیف مذکور، ص۱۸۷۔
۹۳۔ مارشل، تصنیف مذکور، ص۱۲۔
۹۴۔ رے می، تصنیف مذکور، ص۳۵۔۳۶۔
۹۵۔ کوف، تصنیف مذکور، ص۲۸۔
۹۶۔ چارلس اسٹیورٹ، ''Mulfuzat Timury''، ص؟؟
۹۷۔ آربری، ''British Orientalists''، ص۱۸۔
۹۸۔ ایضاً، ''British Contribution to Persian Literature''، ص۱۶۔
۹۹۔ ایضاً۔
۱۰۰۔ ایضاً۔
۱۰۱۔ مارشل، تصنیف مذکور، ص۲، ایسا ہی تجزیہ رینکورٹ، ''The Soul of India''، ص۲۶۵ میں ہے۔
۱۰۲۔ مارشل، تصنیف مذکور، ص۱۴۔

۱۰۳۔ ایضاً، ص۴۲۔

۱۰۴۔ تفصیلات کے لیے، ایضاً، ص۴۲۔۴۳۔

۱۰۵۔ مکرجی، تصنیف مذکور، ص۸۶۔

۱۰۶۔ ایضاً۔

۱۰۷۔ عبداللہ یوسف علی، تصنیف مذکور، ص۸۰، تفصیلات کے لیے، آربری، ''Asiatick Jones''۔

۱۰۸۔ مکرجی، تصنیف مذکور، ص۸۷۔

۱۰۹۔ وکٹر، کارل، ''Goethe, The Poet''، ص۲۲۰، تفصیلات کے لیے، رے می، تصنیف مذکور، ص ۴۱۔۴۵

۱۱۰۔ فریڈرک شلیگل، (Freidrich Schlegle)، وکٹر ہیوگو (Victor Hugo)، لامرٹائن (A.M.L. Lamertine)، ڈی مائسٹر (de Maistre)، ہرڈر (Herder) وغیرہ۔ مارشل، تصنیف مذکور، ص۱۷، فکری اثرات کا ایک مفصل جائزہ: رینکورٹ، تصنیف مذکور، ص۲۵۸۔۲۶۹ وبعدہ میں ہے۔ لیکن یہ بہت بعد کے اثرات پر مبنی ہے۔ نیز تفصیلات کے لیے: رے می، تصنیف مذکور، ص۱۷۱۔۱۷۵۔

۱۱۱۔ لائرڈ، تصنیف مذکور، ص۶۰، اس نے اپنے عزائم اپنے دو مفصل مضامین میں تحریر کیے، ایضاً۔

۱۱۲۔ امبری، اے۔ ٹی۔ ''Charles Grant and British Rule in India''، ص۱۲۰، ۱۵۲۔

۱۱۳۔ فلپس، تصنیف مذکور، ص۱۵۹، لائرڈ، مقدمہ ''Bishop Heber in Northern India''، ص۳، ۵۔۶، قریبی عہد کے جائزے کے لیے، ایضاً ''Missionaries and Education in Bengal''، ص۳۷۔۴۳

۱۱۴۔ ایضاً، ص۶۰۔

۱۱۵۔ ایضاً، ص۵۷، ۱۷، اس کے قیام میں اولین مشنری ولیم کیری (William Carey) کی مصلحتوں اور کوششوں کے لیے، ایضاً، ص۵۷۔۵۸ وبعدہ، اور اس میں مشنریوں کو تدریس کے لیے بھیجے جانے کا تذکرہ، یہی مصنف، مقدمہ 'Bishop Heber in Northern India'، ص۴۔۵ میں ہے۔

۱۱۶۔ عتیق صدیقی ''گلکرسٹ اور اس کا عہد'' اس موضوع پر مفصل ہے۔

۱۱۷۔ اس قسم کا جائزہ متعدد فاضل مصنفین کی تصانیف کا موضوع بنا ہے، چناں چہ اس سے رجوع کیا جا سکتا ہے، جیسے، ایضاً: مولوی عبدالحق، مقدمہ ''قواعد اردو''؛ ابواللیث صدیقی، مقدمہ ''جامع القواعد''؛ آغا افتخار حسین، ''یورپ میں اردو'' اور ''یورپ میں تحقیقی مطالعے''۔

فہرست اسنادمحولہ

آربری، اے۔ جے۔ (Arberry, A.J.)، "Aisatick Jones: The Life and Influences of Sir William Jones"، (لندن، ۱۹۴۶ء)

______، "British Contribution to Persian Literature"، (لندن، ۱۹۴۲ء)

______، "British Orientalists"، (لندن، ۱۹۴۳ء)

اسٹوکس، ای۔ (Stokes, E.)، "The Utilitarians and India"، (آکسفورڈ، ۱۹۶۳ء)

اسٹیورٹ، چارلس، (Stewart Charles)، "The Mulfuzat Timury: Autobiographical Memoirs of The Mughal Emperor Timur"، (ہالبورن، ۱۸۳۰ء)

افتخار حسین، آغا، ''یورپ میں اردو'' (لاہور، ۱۹۶۸ء)

______، ''یورپ میں تحقیقی مطالعے'' (لاہور، ۱۹۶۷ء)

افسر صدیقی امروہی اور سید سرفراز علی رضوی، ''مخطوطات انجمن ترقی اردو''، جلد اول، (کراچی، ۱۹۶۵ء)

امبری، اے۔ ٹی۔ (Embree, A.T.)، "Charles Grant and British Rule in India"، (لندن، ۱۹۶۲ء)

بروک، آدم (Brook, Adams)، "The Law of Civilization and Decay"، (لندن، ۱۹۲۸ء)

بریل، ایم۔ (Breal.M.)، "Grammaire Comparee des Langues Indo-Europeenns"، جلد اول، (پیرس، ۱۸۶۶ء)

بکلینڈ، سی۔ ای۔ (Buckland, C.E)، "Dictionary of India Biography"، (لندن، ۱۹۰۶ء)

بلہاچٹ، کے۔ (Ballhatchet, k.)، "Social Policy and Social Change in Western India, 1817-1830"، (لندن، ۱۹۵۷ء)

جونز، ولیم (Jones, William)، "Asiatic Orthography"، مشمولہ: "Asiatic Research"، جلد اول، (کلکتہ، ۱۷۸۹ء)

______، "On the Hindus"، مشمولہ: "Asiatick Researches"، جلد اول، (کلکتہ، ۱۷۸۹ء)

دوپیرن، اینکتل (Duperron, Anquitil)، "Researches Historiques et

"Geographques Sur L Inde"، جلد دوم (پیرس، ۱۷۸۷ء)
______، "LInde en rapport avee LEurope"، جلد سوم، (پیرس، ۱۷۹۸ء)
ڈوگن، ایم۔ ایل۔ ایس۔ (Dugin, M.L.S.)، "Anquetil Duperron et ses Successeurs"، مشمولہ: "Indo-Iranean"، (کلکتہ، دسمبر، ۱۹۶۸ء)
رینکورٹ، اے۔ ڈی۔ (Reincourt, A.D.)، "The Soul of India"، (لندن، ۱۹۶۱ء)
رے می، آرتھر، ایف۔ جے۔ (Ramy, Arthur F.J.)، ''ایران و ہندوستان کا اثر جرمنی کی شاعری پر'' اردو ترجمہ: "The Influence of India and Persia, on the Poetry of Germany"، مترجم ریاض الحسن، (کراچی، ۱۹۷۳ء)
صدیقی، ابواللیث، ''جامع القواعد''، (لاہور، ۱۹۷۱ء)
صدیقی، محمد عتیق، ''گل کرسٹ اور اس کا عہد''، (علی گڑھ، ۱۹۶۰ء)
______، ''ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں''، (دہلی، ۱۹۵۷ء)
عبدالحق، مولوی، ''قواعد اردو''، (اورنگ آباد، ۱۹۳۳ء)
عبداللہ یوسف علی ''انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ''، (کراچی، ۱۹۶۷ء)
علی ابراہیم خاں، خلیل، ''تذکرہ گلزار ابراہیم'' مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، (علی گڑھ، ۱۹۳۴ء)
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ''اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن''، (لاہور، ۱۹۷۲ء)
فلپس، سی۔ ایچ۔ (Philips, Copf Devid)، "The East India Company"، (مانچسٹر، ۱۹۶۱ء)
کوف، ڈیوڈ (Copf, David)، "British Orientalism and The Bengal Renaissance"، (کیلیفورنیا، ۱۹۶۹ء)
کینن، گارلینڈ، (Cannon, Garland)، "Oriental Jones"، (لندن، ۱۹۶۴ء)
______، "The Indian Affairs of Sir William Jones"، مشمولہ: "Asian Affairs"، (لندن، اکتوبر ۱۹۷۸ء)
لائرڈ، ایم۔ اے۔ (Laird. M.A.)، "Bishop Heber in Northern India"، مقدمہ (کیمبرج، ۱۹۷۱ء)
______، "Missionaries and Education in Bengal"، (آکسفورڈ، ۱۹۷۲ء)
مارشل، پی۔ جے۔ (Marshall, P.J.)، "The British Discovery of Hinduism"، مرتبہ، (کیمبرج، ۱۹۷۰ء)
مکرجی، ایس۔ این۔ (Mukerjee, S.N.)، "A Study in Eighteenth Century British

"Attitudes to India"، (کیمبرج، ۱۹۶۸ء)

میکالے، ٹی۔ بی۔ (Macaulay, T.B.)، "Critical and Historical Essays"، (لندن، ۱۸۹۴ء)

نہرو، جواہر لال، "The Discovery of India"، (کلکتہ، ۱۹۴۶ء)

وکٹر، کارل (Victor, Karl)، "Geothe, The Poet"، (کیمبرج، ۱۹۴۹ء)

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے اردو مخطوطات

سید جمیل نقوی

تعارف و ترتیب

معین الدین عقیل

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے اردو مخطوطات

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا کتب خانہ، عربی اور فارسی کے ساتھ ساتھ، اپنے اردو مخطوطات کی ثروت کے لحاظ سے بھی بے حد اہم اور وقیع ہے۔ ان زبانوں کے مخطوطات کی ایک بڑی تعداد اس کتب خانے کے متعدد ذخائر میں محفوظ ہے اور اپنے ذخائر کی اہمیت کے سبب یہ کتب خانہ اپنے آغاز سے اب تک محققین کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہاں موجود عربی اور فارسی کی مخطوطات کی متعدد فہرستیں شائع ہو چکی ہیں لیکن اردو مخطوطات کی کوئی مستقل اور مکمل فہرست غالباً تا حال شائع نہیں ہوئی۔ محض نامکمل لیکن وضاحتی فہرست *Journal of the Asiatic Society* کے شمارہ ۱-۴، جلد دہم، ۱۹۶۸ء، صفحہ ۱۸ تا ۳۱ میں شائع ہوئی ہے، جسے ایس۔ ایم۔ حسن نے مرتب کیا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق اس کتب خانے میں کل ۲۳۴ اردو مخطوطات محفوظ ہیں[1]، لیکن مذکورہ فہرست میں صرف ۴۷ مخطوطات کو متعارف کرایا گیا ہے۔ اس ایک مطبوعہ فہرست کے علاوہ راقم کے ذخیرۂ کتب میں اس کتب خانے کے اردو مخطوطات کی ایک قلمی اور غیر مطبوعہ فہرست بھی موجود ہے، جسے سید جمیل نقوی نے ۱۹۳۹ء میں مرتب کیا تھا۔ یہ نہ صرف وضاحتی بلکہ تفصیلی بھی ہے اور اس میں فاضل مرتب کو کتاب یا مصنف کے بارے میں، اس فہرست کی ترتیب کے وقت تک جو تازہ اور مفید معلومات میسر آئیں، انھوں نے انھیں فہرست کے متن اور حواشی میں درج کیا ہے[2]۔

راقم الحروف کو جمیل نقوی صاحب کی شفقتیں اور عنایتیں حاصل رہی ہیں۔ اپنی عمر کے آخری عرصے میں انھوں نے از راہِ عنایت اپنے مسودات، ایک ہائیکو نظموں پر مشتمل، اور دوسرا... یہی فہرست، مرحمت فرمائے تھے کہ انھیں کہیں شائع کرادوں۔ بظاہر یہ فہرست علمی دنیا

کے لیے بیش بہا نعمت سے کم نہ تھی، لیکن اس قابل نہ تھی کہ اسے بعینہٖ شائع کروا دیا جاتا۔ اس پر نظر ثانی اور اس کی تصحیح و ترتیبِ نو ضروری تھی۔ چناں چہ راقم کی متنوع اور روز افزوں مصروفیات کے باعث یہ کام التوا کا شکار رہا اور اب اسے ضروری تصحیح کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔ اس عمل میں ایس ایم حسن کی مذکورہ فہرست بھی پیشِ نظر رکھی گئی ہے اور اس طرح کی کوشش کی گئی ہے کہ دونوں فہرستوں کے مندرجات کو اس طرح پیش کر دیا جائے کہ اس کتب خانے کے اردو مخطوطات سے متعلق دستیاب معلومات یکجا ہو جائیں۔

جمیل نقوی کی مرتبہ فہرست میں ۶۰ مخطوطات شامل ہیں، جب کہ ایس ایم حسن کی فہرست ۴۷ مخطوطات کے تعارف پر مشتمل ہے۔ ان دونوں فہرستوں میں مندرجات مختلف ہیں، لیکن ۲۴ مخطوطات مشترک ہیں جن کے نام یہ ہیں:

نمبر	مخطوطہ کا عنوان	جمیل نقوی کا نمبر شمار	ایس ایم حسن کا صفحہ نمبر
۱۔	بلوند نامہ	۲۴	۱۹
۲۔	واقعات اکبری	۲۸	۲۰
۳۔	انتخابِ سلطانیہ	۱۹	۲۰
۴۔	اقبال نامہ	۲۰	۲۰
۵۔	تاریخِ آسام	۲۷	۲۲
۶۔	آرائشِ محفل	۱۸	۲۲
۷۔	تاریخِ نادری	۲۳	۲۲
۸۔	تاریخِ شیر شاہی	۲۵	۲۲
۹۔	باغِ سخن	۱۲	۲۳
۱۰۔	نشاط العشق	۸	۲۳
۱۱۔	رسالہ در بیانِ معدنیات	۳۳	۲۳
۱۲۔	خوانِ نعمت	۳۰	۲۵
۱۳۔	ترجمہ مفتاح الصلوٰۃ	۳	۲۵
۱۴۔	ترجمہ تمہیداتِ عین القضاۃ	۱۰	۲۶
۱۵۔	جامع الاخلاق	۱۴	۲۷

۱۶۔ گلشنِ اخلاق	۱۳	۲۷
۱۷۔ شاہ نامہ ہندی	۲۲	۲۸
۱۸۔ خلاصۂ سلطانی	۵	۲۸
۱۹۔ احکام النساء	۴	۲۹
۲۰۔ ترجمہ قرآن شریف	۱	۲۹
۲۱۔ ضرب الامثال	۲۹	۳۰
۲۲۔ دہ مجلس	۲۶	۳۰
۲۳۔ حجۃ القوی	۷	۳۰
۲۴۔ جہانگیر شاہی	۲۱	۳۰

اس کے برعکس درج ذیل مخطوطات، جو جمیل نقوی کی فہرست میں شامل ہیں، ایس۔ ایم۔ حسن کی فہرست میں موجود نہیں۔ ایسے مخطوطات کی تعداد ۳۴ ہے۔

۱۔ دیوانِ ولا	(۵۰)	۲۔ دیوانِ قدرت	(۵۳)
۳۔ دیوانِ محبت	(۵۱)	۴۔ دیوانِ ناجی	(۵۴)
۵۔ دیوانِ یقین	(۵۲)	۶۔ دیوانِ احسن	(۵۵)
۷۔ دیوانِ افسوس	(۴۹)	۸۔ دیوانِ میر سوز	(۵۷)
۹۔ دیوانِ کبیر	(۵۸)	۱۰۔ دیوانِ میر	(۵۹)
۱۱۔ دیوانِ آصف الدولہ	(۶۰)	۱۲۔ رسالہ در حدیث	(۲)
۱۳۔ رسالہ متعلق مسائل نماز و غسل	(۶)	۱۴۔ شرح گلشنِ زار	(۹)
۱۵۔ تحفہ المرسلہ	(۱۱)	۱۶۔ تذکرۂ ریختہ گویاں	(۱۶)
۱۷۔ تذکرۂ ہندی	(۱۷)	۱۸۔ رسالہ راگ	(۳۱)
۱۹۔ سورساگر	(۳۲)	۲۰۔ دیوانِ درد	(۳۴)
۲۱۔ دیوانِ ولی	(۳۵)	۲۲۔ دیوانِ ولی	(۳۶)
۲۳۔ دیوانِ ممنون	(۳۷)	۲۴۔ دیوانِ حسن	(۳۸)
۲۵۔ دیوانِ تجلی	(۳۹)	۲۶۔ دیوانِ رند	(۴۰)
۲۷۔ دیوانِ واقف	(۴۱)	۲۸۔ دیوانِ مخلص	(۴۴)

۲۹۔ دیوانِ انشا (۴۳) ۳۰۔ دیوانِ مجرم (۴۴)
۳۱۔ دیوانِ بقا (۴۵) ۳۲۔ دیوانِ آبرو (۴۶)
۳۳۔ دیوانِ سودا (۴۷) ۳۴۔ دیوانِ افسوس (۴۸)

اسی طرح ایسے مخطوطات، جوالیس۔ایم۔حسن کی فہرست میں شامل ہیں لیکن جمیل نقوی کی فہرست میں موجود نہیں، یہ ہیں:

۱۔ خودنوشت سوانح نساخ (۱۹) ۲۔ منتخب الفوائد (۲۰)
۳۔ دیوانِ جہاں (۲۱) ۴۔ چہار گلشن (۲۱)
۵۔ چشمۂ فیض (۲۱) ۶۔ مظہر العجائب (۲۱)
۷۔ تاریخِ بغاوتِ ہند (۲۲) ۸۔ تاریخ رام پور (۲۲)
۹۔ بتیال پچیسی (۲۳) ۱۰۔ تاریخِ غریبی (۲۳)
۱۱۔ اخلاق ہندی (۲۳) ۱۲۔ انوارِ سہیلی (۲۳)
۱۳۔ فرس نامۂ رنگیں (۲۳) ۱۴۔ آرائشِ محفل قصۂ حاتم طائی (۲۴)
۱۵۔ گنج خوبی (۲۴) ۱۶۔ نوطرزِ مرصع (۲۴)
۱۷۔ نثر بے نظیر (۲۴) ۱۸۔ پھول بن (۲۴)
۱۹۔ سنگھاسن بتیسی (۲۰) ۲۰۔ ہفت پیکر (۲۵)
۲۱۔ خرد افروز (۲۵) ۲۲۔ ہفت گلشن (۲۵)
۲۳۔ بہادر دانش باغ و بہار (۲۵) ۲۴۔ ترجمہ کتاب نورالانصار (۲۵)
۲۵۔ تحفۃ العوام (۲۶) ۲۶۔ طوطی نامہ (۲۶)
۲۷۔ قصہ بلند اختر مع مثنوی دراحوال کلکتہ (۲۶) ۲۸۔ قصہ لعل و گوہر (۲۶)
۲۹۔ حسن و عشق قصہ گل و ہرمز (۲۷) ۳۰۔ انشائے نورتن (۲۷)
۳۱۔ گلشنِ عشق (۲۷) ۳۲۔ رسالہ در ہندی (۲۷)
۳۳۔ شاہ نامہ (۲۷) ۳۴۔ شاہ نامہ قصہ خسروانِ عجم (۲۸)
۳۵۔ ترجمہ تحفہ (۲۸) ۳۶۔ اضرابِ سلطانی (۲۸)
۳۷۔ قصہ بہرام وگل اندام (۲۹) ۳۸۔ محیط دانش (۲۹)
۳۹۔ بہارِ عشق ترجمہ نل دمن (۲۹) ۴۰۔ بہارِ عشق ترجمہ سیف الملوک (۲۹)

۴۱۔ چراغ ایمان (۲۹) ۴۲۔ ذکر الشہادتین (۳۰)

۴۳۔ قصہ گلشن ہند (۳۰)

اس اعتبار سے دونوں فہرستوں میں شامل مخطوطات کی کل تعداد ۱۰۱ بنتی ہے، جب کہ کتب خانے میں اردو کے جملہ ۲۳۴ مخطوطات میں سے ۱۳۳ مخطوطات تا حال کسی فہرست میں شامل ہونے یا متعارف ہونے کے منتظر ہیں۔ چوں کہ ایس۔ ایم۔ حسن نے زیادہ تر ان مخطوطات کو اپنی فہرست میں شامل کیا ہے جو نثر میں ہیں اور سید جمیل نقوی کی فہرست میں وہ مخطوطات، جو ایس۔ ایم۔ حسن کی فہرست میں شامل نہیں، زیادہ تر منظوم ہیں، اس لیے گمان کیا جاسکتا ہے کہ بقیہ مخطوطات غالباً دواوین یا منظومات پر مشتمل ہوں گے۔

اگرچہ تازہ تحقیقات و مطالعات کے نتیجے میں، ان فہرستوں میں شامل کتابوں اور ان کے مصنفوں کے بارے میں متعدد نئی معلومات سامنے آئی ہیں اور ان مذکورہ مخطوطات میں سے کئی مخطوطات تقدیم و تعلیق اور ترتیب و تدوین کے اہتمام کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں، جن سے ان فہرستوں کے فاضل مرتبین ناواقف رہے یا استفادہ نہ کر سکے۔ یہاں ان فہرستوں کو، ان میں دی گئی اضافی معلومات اور مندرجات کی حد تک بعینہٖ شائع کیا جا رہا ہے۔ ایس۔ ایم۔ حسن نے اپنی فہرست کے آغاز میں ایک مختصر تعارفی شذرہ تحریر کیا ہے لیکن حواشی یا متعلقہ معلومات کے اضافے سے گریز کیا ہے، جب کہ سید جمیل نقوی نے بالعموم حواشی کا اہتمام کیا ہے، جو پاورقی تھے، یہاں انھیں ان کی فہرست کے آخر میں منتقل کیا گیا ہے۔

حواشی

۱۔ "The Asiatic Society; Bio-Centenery Souvenir, 1784-1984"، (کلکتہ، ۱۹۸۴ء) ص ۱۸ (صفحات پر نمبر شمار درج نہیں ہیں)۔

۲۔ سید جمیل نقوی متعدد کتابوں کے مصنف اور شاعر تھے۔ ۱۹۱۲ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں علیگڑھ سے لائبریرین کا امتحان کامیاب کیا اور وہیں یونیورسٹی لائبریری میں ملازمت شروع کی۔ ۱۹ سال تک وہاں وہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اس دوران وہ کلکتہ چلے گئے جہاں رہ کر ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے سے استفادہ کیا اور اردو مخطوطات کی یہ وضاحتی فہرست ترتیب دی۔ وہاں سے ۱۹۴۵ء میں وہ دہلی چلے گئے جہاں محکمۂ تجارت

سے وابستہ ہوئے اور پھر قیامِ پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہوگئے اور ایکسپورٹ پروموشن بیورو میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۷۰ء میں سبکدوش ہوئے۔ ۱۹ جنوری ۱۹۹۹ء کو انتقال کیا۔ان کی مطبوعات کے نام یہ ہیں: ''کفِ خاکستر''(اردو کلام)؛''ارمغانِ جمیل''(نعتیہ مجموعہ)؛''پرچم کا ہلال جگمگایا''(قومی نظمیں)؛''برف کی بجری''(ہائیکو نظمیں)؛''انتخابِ میر''اور''انتخابِ اصغر''۔

(۱)

ترجمۂ قرآن شریف

مترجمین: مولوی امانت اللہ، میر بہادر علی حسینی، مرزا کاظم علی جوانؔ وغیرہ (منشیانِ فورٹ ولیم کالج)

اوراق: ۵۶۰؛ مسطر: ۹۔۱۳ سطری؛ سائز: ۳/۴۔۱۰ x ۳/۴۔۷ انچ

خط: رواں نستعلیق؛ مرقومہ: ۱۸۰۴ء

آغاز: ''سورۂ فاتحہ کے مدینے میں نازل ہوئی سات آیت کا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خدا کے نام سے جو بڑا بخشنے والا ہے۔
نعمت دینے ہارا ہے۔ ہر ایک حمد خدا کے لیے ہے۔ وہ مالک
سب کا بخشنے ہارا۔ روزی دینے والا......، الخ''

آخری ۹ صفحات (اوراق ۵۵۶ تا ۵۶۰ ب) میں اس اردو ترجمہ کا ایک تاریخی خاکہ درج ہے۔ یعنی یہ ترجمہ ڈاکٹر گلکرسٹ کی نگرانی میں فورٹ ولیم کالج کے منشیان مولوی امانت اللہ، میر بہادر علی حسینی (میر منشی) نے ذی الحجہ ۱۲۱۷ھ میں شروع کیا۔ پھر اس میں مولوی فضل اللہ بھی شامل ہو گئے۔ مرزا کاظم علی جوانؔ، ساتھ ساتھ زبان کی درستی اور ترجمہ کی اصلاح کرتے جاتے تھے۔ ۲۱ سپارے ترجمہ ہوئے تھے کہ چند اختلاف کی بنا پر مولوی عنایت اللہ اس کام سے کنارہ کش ہو گئے۔ ان کی جگہ حافظ محمد غوث کا تقرر عمل میں آیا جنھوں نے مولوی فضل اللہ اور مرزا کاظم علی جوانؔ کے ساتھ مل کر ۹؍ رمضان المبارک ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۳؍ دسمبر ۱۸۰۴ھ کو (تقریباً دو سال بعد) ترجمہ مکمل کیا۔

نمونہ: ''وہی تو وہ خدا ہے جس نے بناڈالا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں اور اس کا
عرش پانی پر تھا تاکہ آزمائے ہمیں کہ کون ہے تم میں سے بہتر چال چلن کی راہ
سے اور اگر کہتا ہے تو کہ ضرور اٹھائے جاؤ گے مرنے کے بعد تو کہنے لگتے ہیں
وہ لوگ کہ جو کافر ہو گئے......، الخ''

ڈاکٹر گلکرسٹ کے ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد نگراں کے فرائض کپتان

مونٹ نے انجام دیے۔ لیکن ورق ۲۳۵ سے ورق ۵۴۵ تک ۸ مقامات پر کسی ''آئی۔ایچ'' کے دستخط بھی ثبت ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ کپتان کے کوئی اور شخص بھی ترجمہ کی رفتار کا جائزہ لیتا تھا۔

مزید براں اس مخطوطہ کے سلسلے میں یہ امر بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے (بحوالہ تاریخی خا کہ اختتامِ ترجمہ) قرآن مجید کا یہ اردو ترجمہ براہِ راست عربی سے نہیں کیا گیا بلکہ کسی فارسی ترجمہ وتفسیر سے بجائے لفظی ترجمہ کے با محاورہ اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا نمونہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ مرزا کاظم علی جواںؔ کے قلم کا لکھا ہوا ہے اور ترجمہ کا اصل نسخہ یہی ہے جو اب تک مورخین کی نظروں سے پوشیدہ ہے[1]۔

پہلے ۸۲ اوراق پر عنوانات اور آیات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں، باقی متن سیاہ روشنائی سے لکھا ہوا ہے۔ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔

(۲)

رسالہ در حدیث

مؤلف ومترجم: نامعلوم

اوراق: ۱۹؛ مسطر: ۱۷ سطری؛ سائز: ۱۰X۲/۱-۱۶ انچ

خط: خوش خط نسخ؛ مرقومہ: غالباً بارھویں صدی

مختلف موضوعات پر منتخب احادیث کا مجموعہ۔ عربی متن۔ دکنی ترجمہ کے ساتھ مؤلف و مترجم کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

آغاز:۔''رَبِّ یَسِّر۔ بِسمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمُ وَ تَمِّمُ بِالخَیرُ۔اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِین و الصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن ہ الخ''

آخر ناقص۔ اوراق۔۱۴/ا اور ۱۴/ب خالی۔ ورق ۱۹ پر مخطوطہ اچانک نامکمل رہ جاتا ہے۔

عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں۔ حاشیہ پر جابجا کسی نے معلوماتی عبارات لکھی ہیں۔

(۳)

ترجمۂ مفتاح الصّلوٰۃ

مترجم: سید امام الدین علی واعظ عرف فقیر الہندی متخلص بہ کاملؔ

اوراق: ۹۲؛ مسطر: ۱۶سطری؛ سائز: ۱۰x۱۶انچ

خط: رواں نستعلیق؛ مرقومہ: ۱۱۹۲ھ

مفتاح الصّلوٰۃ مصنفہ شیخ محمد محدث برہانپوری کا اردو ترجمہ از سید امام الدین علی واعظ عرف فقیر الہندی متخلص بہ کاملؔ

آغاز:

حمد حق دمبدم ہزار کروں ‌‌ شکر ہر لحظہ بیشمار کروں
غافل حد حق کا بندہ نئیں ‌‌ مردہ دل اصل میں ہے زندہ نئیں

یہ رسالہ اسلام کے ارکان اور نماز کے متعلق مسائل پر مشتمل ہے۔ مصنف نے سبب تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے (ترجمہ ورق ۱۹ اب):

> ''جو کچھ کہ کثیر الوقوع دیکھا گیا اس پر اکتفا کر مفتاح الصّلوٰۃ تمام کیا ہم نے اور اس رسالہ کوں واسطے شیخ احمد سلیمان کی کہ ایک ہمشیر زادہ نسواں اس فقیر کا ہے واسطہ صلہ رحم تالیف کیا۔ الخ''

ترقیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ مخطوط مترجم کے قلم کی تحریر ہے، جو ارکاٹ کے مقام پر ۱۰ر جمادی الاول ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں۔ پہلے صفحہ پر ایک مہر سے پتا چلتا ہے کہ مخطوط نواب نصیر الدّولہ بہادر نصیر جنگ کی ملکیت رہ چکا ہے۔

(۴)

احکامُ النساء

مؤلف: قاضی غلام محمد

اوراق: ۳۸؛ مسطر: ۱۱سطری؛ سائز: ۳/۴-۸x۱/۲-۵ انچ

خط: رواں نستعلیق؛ مرقومہ: تاریخ نامعلوم

اس رسالہ میں عورتوں کے مسائلِ زندگی پر دکنی زبان میں مختصراً بحث کی گئی ہے۔ غلام محمد (مؤلف) ٹیپو سلطان کے دربار میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھا۔

منظوم حمد و نعت کے بعد تمہید کا آغاز اپنے ولی ٹیپو سلطان کی مدح سے کرتا ہے۔

اوشہ جنکی فتح جہاں میں ہے آشکار	تیغ ان کی دشمانکی سرکوں کرتی ہے شکار
سلطان دین حضرت ٹیپو ہی بادشاہ	عالم کوں اُن کے فیض سوں راحت ہے بیشمار

مخطوط مندرجہ ذیل الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔

''تمت الکتاب احکام النساء: تاریخ ماہ جعفری سال......[۲] مولود محمدی۔ جملہ سی دہشت ورق''۔

(۵)

خلاصہ سلطانی

مؤلف و مترجم: قاضی غلام محمد

اوراق: ۷۹؛ مسطر: ۱۱سطری؛ سائز: ۲/۱-۸x۶ انچ

خط: رواں نستعلیق؛ مرقومہ: سال شاد ۱۲۲۳ مولود محمدی

سلطان محمود غزنوی (۱۰۳۰ء-۹۹۸ء) کے حکم سے مشہور علمائے وقت نے فارسی زبان میں اہم مسائل فقہ کا ایک ضخیم مجموعہ ''مجمع سلطانی''[۳] کے نام سے مرتب کیا تھا۔ سلطان ٹیپو کے درباری قاضی غلام محمد نے اس کی تلخیص دکنی زبان میں ''خلاصہ سلطانی'' کے نام سے بمقام دارالخلافہ پٹن تحریر کی۔

روایتی حمد و نعت کے بعد سلطان ٹیپو کی مدح میں جو اشعار قاضی غلام محمد نے اپنی تالیف ''احکام النساء'' میں لکھے تھے، ان میں ذرا سی تبدیلیاں کر کے خلاصہ سلطانی کی تمہید میں بھی شامل کر دیے ہیں۔

تلخیص و ترجمہ کی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں چل سکا۔ غالباً اس کتاب کا کوئی دوسرا نسخہ کہیں موجود نہیں ہے۔ کتاب اس عبارت پر ختم ہو جاتی ہے:

''تمام شد خلاصہ سلطانی دکنی بتاریخ غرہ ماہ رحمانی سال شاد ۱۲۲۳ مولود

محمدی بخط طبعی غلام درگاہ وحید محمد سعید۔ تمت تمام شد۔"

(۶)

رسالہ متعلق مسائلِ نماز و غسل

(ناقص)

مصنف: نامعلوم

اوراق: ۴؛ مسطر: ۱۳ سطری؛ سائز: ۱۰/۱/۲x۱/۲-۱۲ انچ

خط: معمولی نسخ؛ مرقومہ: تاریخ نامعلوم (غالباً بارھویں صدی ہجری)

آغاز: "الحمد للله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم.....اجمعین۔ جان توں کہ ایمان میں دو فرض ہیں.....، الخ"

(۷)

حُجّۃ القوِی

مصنف: سید احمد حسینی القادری سبز پوش

اوراق: ۴۵ مسطر: ۱۱ سطری سائز: ۶ X ۱۴ انچ

خط: خوب صورت نسخ مرقومہ: ۲/رجب المرجب ۱۱۹۰ھ

کاتب: محمد عبداللہ

قدیم دکنی زبان میں تصوف پر ایک مختصر رسالہ

آغاز: "بسم الله الرحمٰن الرحیم. الحمد الله لا الہٰ بتحقیق شهود ان لا موجود.....، الخ"

جا بجا احادیث کے حوالے دیے گئے ہیں اور صوفیانہ اشعار شامل کر کے عبارت کو دل چسپ بنایا گیا ہے اور کسی زین العابدین کے لیے اس رسالہ کو نقل کیا گیا ہے۔

اختتام: "تمام شد نسخہ حجتہ القوی برائے مطالعہ حقائق و معارف آگاہ مقبول قلوب اہل اللہ عارف باللہ زین العابدین سلمہ اللہ المبین۔ بتاریخ دوم شہر رجب المرجب روز یکشنبہ بوقت ظہر ۱۱۹۰ھ تحریر یافت۔" حرزہ محمد عبداللہ

بہ یاد گار نوشتم خطے کہ ایا ے
بدیں بہا نہ عزیزاں کنند مارایاد

(۸)

نشاطُ العشق

مترجم: شاہ حبیب اللہ قادری

اوراق:۵۰ مسطر: ۱۷سطری سائز: ۱۰X۱/۴-۱۶انچ

خط: نسخ شکستہ آمیز مرقومہ: تاریخ پڑھی نہیں جاتی غالباً ۱۰۰۲ھ

''نشاط العشق'' دکنی زبان میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ کے مسائل تصوف پر مشتمل فارسی رسالہ شرح غوثیہ کا ترجمہ ہے۔[۴]

اسٹیوارٹ نے ٹیپو سلطان لائبریری کے کیٹلاگ میں ''نشاط العشق'' کو عبداللہ بن حسینی گیسو دراز کی تصنیف بتایا ہے۔

(۹)

شرحِ گُلشنِ راز

مترجم: نامعلوم

اوراق:٦ مسطر: ۲۵سطری سائز: ۱۰X۱/۴-۱٦انچ

خط: نسخ شکستہ آمیز مرقومہ: غالباً گیارھویں صدی

محمود شبستری کی ''گلشن راز'' دکنی زبان میں ایک نامکمل ترجمہ۔

''باسمک الاعظم الشامل خیفہ المقدس لکل موجود النور ظلمت العدم یا نوار الوجود۔ یعنی شروع کرتا ہوں میں اس کتاب کوں......، الخ''

(۱۰)

ترجمہ تمہیداتِ عینُ القُضاۃ

مترجم: شیخ عبدالقادر بن شیخ عبدالغفور

اوراق:۱۵۵ مسطر: ۲۱سطری سائز: ۱۸X۱۲انچ

خط: معمولی نستعلیق بخط مترجم مرقومہ: ۲ربیع الاول۱۱۲۳ھ(۱۷۲۴ء)

''تمہیدات عین القضا'' کا دکنی زبان میں مکمل ترجمہ۔

تمہیدات کے مصنف ابوالمعالی (یا ابوالفضائل) عبداللہ بن محمد المیانجی الہمدونی ہیں جو عین القضا کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت احمد غزالی سہروردی (برادر امام محمد غزالی) کے مرید تھے۔

پہلا ورق غائب۔ کتاب مندرجہ ذیل ترقیمہ پر ختم ہوتی ہے:

''کاتب الحروف عبدالقادر ولد شیخ عبدالغفور۔ تحریر فی التاریخ دوم ماہ ربیع الاول روز شنبہ مرتب شد۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شاید مترجم اور کاتب ایک ہی شخص ہے۔

(۱۱)

تحفۃُ المرسلہ

مترجم: شاہ حبیب اللہ قادری

اوراق: ۲۵ مسطر: ۱۷سطر سائز: ۱۰X ۱/۴-۱۶انچ

خط: نسخ شکستہ آمیز مرقومہ: ۱۱۰۲ھ

تحفۃ المرسلہ عربی میں محمد بن فضل اللہ برہانپوری (وفات: ۱۲۰۹ھ) کی تصنیف ہے۔ جس میں تصوف کے مبادیات (حقائق) بیان کیے گئے ہیں۔ شاہ حبیب اللہ قادری نے اس کا ترجمہ دکنی زبان میں کیا ہے۔ جیسا کہ ترقیمہ میں انھوں نے ذکر کیا ہے:

''یو ترجمہ تحفۃ المرسلہ کی فارسی ترجمہ کا دکنی زبان سوں فقیر شاہ حبیب اللہ قادری نے بولیا ہوں.....، الخ''

پہلے چار اوراق ایک طویل تمہید پر مشتمل ہیں جو اس طرح شروع ہوتی ہے:

''ثنا بہوت ہور صنعت بے کنت، ثابت ہے بے پروردگار کے تئیں.....، الخ''

کتاب کے متن کے ترجمہ کا آغاز اس طرح ہوا ہے:

''الحمد اللہ رب العالمین..... عن الکونین۔ یعنی تمام صفات ہور ثنا ثابت

ہے.....،الخ‘‘

اختتام حسب ذیل ابیات پر ہوتا ہے، جن سے ترجمہ کی تاریخ کا بھی پتہ چلتا ہے:

نہایت کوں پہونچیا یو مکتوب جب اتھی پنج تاریخ ماہِ رجب

تھا ہجری سن تو اپر یک ہزار جو یک دو سال اِی جانی یار

نبی پر صلٰوۃ و علیہ السلام حبیب نے یو تحفہ کیا یوں تمام

کتابت غالباً کسی اور نے کی ہے۔ قطعہ تاریخ اور حواشی مصنف کے قلم کے معلوم ہوتے ہیں۔

(۱۲)

باغِ سخن، ترجمۂ بوستان

مترجم: حاجی مرزا مغل (منشی فورٹ ولیم کالج)

اوراق: ۲۰۲ مسطر: ۱۱ سطری سائز: ۱/۲-۱۰X۱/۲-۱/۷ انچ

خط: رواں نستعلیق بقلم مترجم مرقومہ: ۷/ جمادی الاول ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۳ء

’’بوستان سعدی‘‘ کا اردو ترجمہ از حاجی مرزا مغل شاگرد مرزا کاظم علی جوانؔ (جو فورٹ ولیم کالج کے شعبہ ہندوستانی میں منشی تھے)۔ دیباچہ میں حاجی مرزا نے اپنے ذاتی حالات لکھے ہیں (لکھنؤ میں پیدا ہوئے وغیرہ) انھوں نے ایک اشتہار کے جواب میں ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر سعدی کی بوستان کا یہ اردو ترجمہ کیا تھا۔ دیباچہ کے اختتام پر انھوں نے لکھا ہے کہ:

’’ہر چند بارہ برس سے شعر و سخن ترک کیا تھا اور تحصیلِ علوم دینی میں مصروف لیکن اہم جان کے خواب و خور اپنے اوپر حرام کر کے جان لڑا کے ایک مہینہ کے عرصے میں موافق اس شرح کے جو میر غلام حسین صاحب نے لکھی تھی اور سب شارحوں کے قول جمع کر کے جس کو ترجیح دی تھی اسی کو لکھا اور دو مہینے کے عرصہ میں لفظ و معنی و محاورات درست کر کے آپی اس فقیر نے کتاب کو صاف کیا... اور نام اس کا ’’باغ سخن‘‘ رکھا تا کہ سرسبز رہے سدا۔‘‘

یہ ترجمہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ خود مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اسلوب بیان فورٹ ولیم کالج کی دوسری اردو تصانیف سے مختلف ہے۔ عنوانات ورق ۹۶ تک سرخ روشنائی سے لکھے

ہیں۔ ۹۷ سے ۲۰۲ تک عنوانات کی جگہ خالی ہے۔

(۱۳)

گُلشنِ اخلاق

مترجم: سید علی بن شیر علی افسوسؔ

اوراق: ۱۴۰   مسطر: ۱۳سطری   سائز: ۲/۱۔X۸ ۱۶انچ

خط: رواں نستعلیق بخط مؤلف   مرقومہ: ۱۰ر رمضان ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء

سید علی بن سید شیر علی افسوسؔ (منشی فورٹ ولیم کالج شعبہ ہندوستانی) نے اسلامی اخلاق پر یہ کتاب اپنے والد کے ایما سے تالیف کر کے اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر کپتان ٹیلر، استاد شعبہ ہندوستانی، فورٹ ولیم کالج کو پیش کی تھی۔

آغاز: ''حمد و ثناء کرتا ہوں اس خدائے ہادی کی کہ جس نے.....، الخ''

ترقیمہ میں مؤلف نے لکھا ہے کہ:۔

''عہد حکومت میں زبدۂ نوابان عظیم الشان اشرف الامرا نواب گورنر جزل لارڈ منٹو دام اقبالہٗ کی.....''

یہ جملہ روایتی طور پر فورٹ ولیم کالج کی تمام مطبوعات کے ترقیموں میں ملتا ہے۔ غالباً یہ کتاب طباعت کی اُمید میں پیش کی گئی تھی لیکن طبع نہیں ہوئی۔ گلشن کی مناسبت سے ابواب کو ''چمن'' کا عنوان دیا گیا ہے اور ہر باب کو ''روش'' کے عنوان سے تقسیم کیا گیا ہے۔

زبان و بیان فورٹ ولیم کالج کی دوسری کتابوں سے مساوی ہے۔ یعنی آسان روزمرہ میں لکھنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

(۱۴)

جامع الاخلاق

مترجم: مولوی امانت اللہ شیداؔ (منشی تفریق ہندی فورٹ ولیم کالج کلکتہ)

اوراق: ۱۹۳   مسطر: ۱۳سطری   سائز: ۴/۱x۱۰ ۱/۔۷ انچ

خط: رواں نستعلیق   بخط مترجم   مرقومہ: تاریخ نامعلوم (ناقص الآخر)

جلال الدین محمد بن اسعد الصدیق الروانی (۸۳۰۔۹۰۸ھ ر ۱۴۲۷۔۱۵۰۲ء) کی مشہور فارسی کتاب ''لوامع [۵] الاشراق فی الجوامع الاخلاق'' کا اردو ترجمہ ہے۔ الروانی کی یہ معرکتہ الآرا تصنیف ''اخلاق جلالی'' کے نام سے مشہور ہے۔ مولوی امانت اللہ کا یہ اردو ترجمہ فورٹ ولیم کالج کے اردو تراجم میں بہترین اور معیاری خیال کیا جاتا ہے اور کپتان جیمس مونٹ کی فرمائش پر ۱۸۰۵ء میں مکمل کیا تھا۔ امانت اللہ نے ایک عربی کتاب ''ہدایت السلام'' کا بھی اردو ترجمہ کیا تھا جسے ڈاکٹر گلکرسٹ نے انگریزی میں منتقل کر کے شائع کیا۔ مترجم موصوف کی ایک اور کتاب ''منظوم صرف ونحو'' کا بھی حوالہ ملتا ہے جو ۱۸۱۰ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ ''جامع الاخلاق'' کا دیباچہ ابتدائی چھ اوراق پر مشتمل ہے جس میں دل کھول کر مبالغہ آمیز حد تک بڑی شد و مد سے اپنے مربی (کپتان مونٹ) اور گورنر جنرل مارکوئیس ویلزلی کی مداح کی گئی ہے۔

آغاز: ''حمد اس کریم کارساز کو سزاوار ہے جس نے جواہر اخلاق حمیدہ کو اپنے....، الخ''

آگے چل کر دیباچہ میں لکھا ہے کہ:

''یہ دولت خواہ سرکار فیض آثار کمپنی بہادر دام اقبالہ شیخ امانت اللہ مترجم تفریق ہندی درس کا ہے۔ جب اس بندہ نے نسخہ ہدایت الاسلام سے فراغت کی اور صاحب ممدوح (یعنی کپتان جیمس مونٹ) کی خدمت میں اظہار کیا ارشاد ہوا تو اخلاق جلالی کا ترجمہ ریختہ میں کر....، الخ''

کتاب کے ورق ۱۹۳ کے بعد کچھ اوراق غائب ہیں۔ اس لیے کتابت کی صحیح [۶] تاریخ معلوم نہیں ہو سکتی۔ مترجم کے اپنے قلم کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ حاشیہ پر جگہ جگہ اصلاحیں درج ہیں [۷]۔ فورٹ ولیم کالج سے اس کتاب کا کوئی ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔

(۱۵)

تذکرۂ ریختہ گویان

مصنف: فتح علی حسینی گردیزی

اوراق: ۹۵ مسطر: ۱۳ سطری سائز: ۲/۱۔۸X۶ انچ

خط: نسخ معمولی مرقومہ: تاریخ نامعلوم (بہت قدیم نسخہ)

فتح علی حسینی گردیزی (ابنِ سید عوض علی) نے یہ تذکرہ بقول اشپرنگر ۱۱۶۵ھ میں دہلی میں

مرتب کیا تھا، جہاں وہ محمد شاہ بادشاہ کی فوج میں بخشی کے عہدہ پر فائز تھا۔ صوفی منش آدمی تھا اور مخدوم جہاں کے حلقہ مریدین میں شامل تھا۔ شعر گوئی سے بھی شغف تھا۔ حسینی تخلص کرتا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں انجمن ترقی اردو سے شائع ہو چکا ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمہ میں اس کی حسب ذیل فارسی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ (۱) کشف الاسرانی معرفت الاسرار (۲) مراۃ العرفان (۳) الطالی الباطل (۴) نورِ ہدایت (۵) معرفت الفقر۔

تذکرہ ۹۸ شعراء کے حالات پر مشتمل ہے۔ زیرِ نظر نسخہ سلطان ٹیپو کے کتب خانہ کی زینت رہ چکا ہے۔ پہلے صفحہ کی پیشانی پر ٹیپو سلطان کی دو مہریں ثبت ہیں۔ اسٹیورٹ نے ٹیپو سلطان کے کتب خانہ کی فہرست میں ''تذکرہ ہندی'' کے نام سے اس تذکرہ کا بیان کیا ہے۔ ۱۰۸ شعراء کے حالات کی نشاندہی کی ہے جو غلط ہے۔

شعراء کے ناموں کی ترتیب حروفِ تہجی سے ہے اور ابتدائی دو صفحوں پر شعراء کی فہرست دی گئی ہے۔ یہ نسخہ غالباً قدیم ترین ہے اور قرائن سے گردیزی کی حیات میں کتابت شدہ معلوم ہوتا ہے۔

(۱۷)

تذکرۂ ہندی

مصنف: شیخ غلام ہمدانی مصحفی

اوراق: ۱۴۶ مسطر: ۱۴ سطری سائز: ۱/۲-۹X۶ انچ

خط: خوش خط نستعلیق مرقومہ: ۲۰ جمادی الاول ۱۲۱۹ء

تذکرۂ شعرائے اردو از شیخ ہمدانی مصحفی ابنِ ولی محمد امروہی (پیدائش ۱۱۶۴ھ۔ وفات ۱۲۴۰ھ لکھنؤ)۔ ''ریاض الفصحا'' کے نام سے اردو شعراء کا تذکرہ بھی مصحفی کی تصنیف ہے۔ جسے مصحفی نے ''تذکرۂ ہندی'' کا دوسرا حصہ بتایا ہے اور ''تذکرۂ ہندی'' میں جو نام شامل ہونے سے رہ گئے تھے انھیں اس میں شامل کر کے از سر نو مرتب کیا ہے۔ فارسی شعراء کا تذکرہ بھی ''عقد ثریا'' کے نام سے لکھا ہے۔ تینوں تذکروں کی زبان فارسی ہے اور انجمن ترقی اردو سے مولوی عبدالحق کے مقدموں کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ انجمن کا مطبوعہ ''تذکرہ ہندی'' زیرِ نظر نسخہ پر مبنی ہے۔

مصحفی نے ''تذکرۂ ہندی'' میر مستحسن خلیق کی فرمائش پر ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء میں مرتب کیا

تھا۔اس تذکرہ میں شعراء کے حالات باعتبار حروفِ تہجی درج ہیں جو عہد محمد شاہ سے شاہ عالم بادشاہ کے عہد تک گزرے ہیں۔ ہم عصر شعراء کے حالات نسبتاً تفصیل سے لکھے ہیں۔

آغاز:

''نیکوترین تذکرۂ کہ غنچہ دلہائے ارباب سخن را باہزار نسیم تقریر بہ شگفتن در آرد حمد خداوند سخن آفرینی است کہ مصرعہ ریختہ شمع قامت مہوشان وابا چندیں معنی سوز وگداز بسم اللہ دیون عشق ساختہ.....،الخ''

اختتام:

''برصغیر آئینہ مبصرانِ گوہر معانی مخفی ومحجب نہ ماند کہ مولف ایں تذکرہ غلام ہمدانی ولد ولی محمد ابن درویش محمد کہ بہ مصحفی شہرت دارو.....واحوال بعضے از متقدمین کہ کما ینبغی آگاہی براوقات آنہا حاصل شود وبطور بیاض سمت تحریر یافتہ......''

اس کے بعد قطعہ تاریخ درج ہے:

چو نکہ از فضل خدا ساختہ شد	جلد ایں تذکرہ مانند بہشت
سالِ او چون زخسروؑ پر سیدم	یکہزار و دو صد نہ بنوشت

ترقیمہ:

''کاتب بندہ مرزا فدا حسین ولد آقا مرزا صاحب ۲ر جمادی الثانی ۱۲۱۹ھ۔ملک لکھنوٴ مکان احمد گنج در سن سی ام۔''

گویا یہ نسخہ تصنیف سے دس سال بعد لکھا گیا جبکہ مصحفی حیات تھے۔انجمن ترقی اردو کا مطبوعہ اسی نسخہ پر مبنی ہے۔[۵]

(۱۸)

آرائشِ محفل

مترجم: سید حیدر بخش حیدری (منشی فریق ہندی، فورٹ ولیم کالج، کلکتہ)

اوراق:۲۸۱ مسطر: ۱۳سطری سائز: ۱۰X۱/۲ ۷۔۱/۴انچ

خط: خوش خط نستعلیق بخط مترجم مرقومہ:۱۸۰۱ء

اسی نام کی فارسی کتاب کا آزاد اور رواں اردو ترجمہ ہے۔ آرائشِ محفل میں حاتم طائی کے قصے بیان کیے گئے (ہفت سیرِ حاتم)۔ یہ قصہ عربی سے فارسی میں منتقل ہو کر ایران اور ہندوستان میں بے حد مقبول ہوا۔ اس قصہ کو سب سے پہلے جی۔ کے۔ اٹکنس[9] نے مترب کر کے ۱۸۱۸ء میں شائع کیا تھا۔ آرائش محفل کے فارسی اور اردو تراجم لاتعداد مرتبہ چھپ چکے ہیں۔

زیرِ نظر نسخہ مترجم کے قلم سے لکھا ہوا ہے جو فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ کی ملکیت رہ چکا ہے۔ شیر علی افسوس نے بھی[10] اسی نام کی ایک کتاب لکھی ہے اور دونوں فورٹ ولیم کالج سے ہی وابستہ تھے۔

اس ترجمہ کے دیباچہ میں حیدری نے اپنے معاملات بھی قلمبند کیے ہیں۔ ان کے والد کا نام سید ابوالحسن تھا۔ دلی کے رہنے والے تھے اور وہیں پیدا ہوئے[11]۔ نواب علی ابراہیم کے ڈیرے پہ تربیت پائی۔ نواب علی ابراہیم علی خان خلیل لارڈ ہیسٹنگز کے عہد میں بنارس کے جج تھے۔ ''تذکرۂ گلزار ابراہیم'' انھیں کی تصنیف ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ تربیت کی تکمیل بعد نواب ابراہیم علی خاں علی خلیل کی عدالت ہی میں قاضی عبدالرشید خاں کے ماتحت اہلکار مقرر ہوئے۔

۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے ایک اشتہار کے جواب میں ایک رومانی قصہ[12] ''ماہ پیکر'' کا فارسی سے اردو ترجمہ کر کے ڈاکٹر گلکرسٹ کو پیش کیا اور کالج کے فریقِ ہندی میں منشی کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔

حیدری نے اس ترجمہ کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ یعنی ''قصہ لیلیٰ مجنوں''، ''گل مغفرت''، ''گلزارِ دانش'' اور ''طوطا کہانی''۔ ''ہفت پیکر''[13]، ''طوطا کہانی'' کے مصنف کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔

آرائشِ محفل کے اس ترجمہ کا آغاز ایک نظم سے ہوتا ہے:

الٰہی دے مجھے روشن بیانی — کہ تا دل پہ کھلے راز نہانی
زباں کو مخزنِ تقریر کر دے — دہن کو گوہر معنی سے بھر دے
کہیں سُن کر اسے فصحائے اردو — کہ ہے یہی گوہر دریائے اردو

اس کے بعد سبب تالیف کے عنوان سے ایک دیباچہ ہے۔ اس کے بعد دوسرے ورق سے کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے کہ:

''لکھنے والے نے یوں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں طے نام یمن کا

بادشاہ.....، الخ''

عبارت کا نمونہ:

''حاتم نے کہا اے نوجوان درمند ایسی کیا تجھ پر مشکل پڑی ہے جو اتنا حیران و پریشان ہے۔ اس نے کہا اے مسافر میں سوداگر ہوں اور یہاں سے بارہ کوس پر ایک شہر عالیشان ہے وہاں حارس نام ایک سوداگر نہایت عمدہ مالدار رہتا ہے۔ اور ایک لڑکی بھی پری پیکر رشکِ قمر رکھتا ہے.....''

یہ ترجمہ پہلی بار کلکتہ سے نستعلیق ٹاپ میں ۱۸۰۲ء میں شائع ہوا[۱۳] (اس کے بعد کلکتہ، دہلی، بمبئی، کان پور اور مدراس سے تقریباً ۱۲۴ ایڈیشن چھپ چکے ہیں)۔ یہ نسخہ خوش خط نستعلیق میں مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور بہتر حالت میں ہے۔

(۱۹)

انتخاب سلطانیہ

مصنف: خلیل علی خاں اشکؔ (منشی فریق ہندی، فورٹ ولیم کالج، کلکتہ)

اوراق: ۱۵۳ مسطر: ۹ سطری سائز: ۲/۱-۷X۱۵ انچ

خط: نستعلیق بخط مصنف مرقومہ: تاریخ نامعلوم

اردو ادب کے مؤرخین نے اشکؔ کی جن تصانیف کا ذکر کیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) قصہ امیر حمزہ (دو جلدیں) (۲) رسالہ کائنات درفن حکمت (۳) قصہ رضوان شاہ (جو نگار خانہ چین کے نام سے مشہور ہے۔) (۴) واقعات اکبر (ترجمہ اکبر نامہ)۔ لیکن انتخاب سلطانیہ اشکؔ کی نادر الوجود تصنیف ہے، جس کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ اس کتاب میں انھوں نے دہلی کے مسلمان بادشاہوں کے حالات، شہر دہلی کے آباد ہونے سے لیکر شاہ عالم بادشاہ تک کی تاریخ فورٹ ولیم کالج کے کسی عہدہ دار کی فرمائش پر لکھی تھی جس کا ذکر دیباچہ میں کیا ہے۔

آغاز کتاب:

''چناں چہ صاحب عالی مقدار کی فرمائش تھی کہ ابتدائے بنیاد دتی سے سن حال تک شاہ عالم کے شہر مذکورہ میں کتنے بادشاہ ہوئے اس احوال کو لکھو۔ سو احقر نے یہ کتاب لکھی اور نام اس کا ''انتخاب سلطانیہ'' رکھا۔''

''حمد اس گیتی ستانِ بلندی و پستی کی کہ جس نے اب چتر افلاک جواہر نگار........الخ''

پہلے دس ورق تمہید (دیباچہ) پر مشتمل ہیں جس میں مصنف نے اپنے ادبی کارناموں کا ذکر کیا ہے اور اپنے ذاتی حالات لکھے ہیں کہ وہ کس طرح فورٹ ولیم کالج میں بحیثیت منشی ملازم ہوا۔ مصنف دہلی میں پیدا ہوا اور بچپن ہی میں فیض آباد آ گیا، جہاں ایک ادبی ماحول میں تربیت پائی۔ کچھ عرصہ مرزا جواں بخت جہاں دار شاہ کی ملازمت میں رہا۔ ۱۲۰۹ھ میں بنگال آیا اور ۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ پہنچا۔ مرزا کاظم علی جواؔن نے اُسے ڈاکٹر گلکرسٹ سے متعارف کرایا، جنھوں نے اسے فورٹ ولیم کالج میں ملازم رکھ لیا۔

اصل کتاب ورق ۱۱پر ''عرض مطلب'' کے عنوان سے شروع ہوتی ہے۔ ۴۸ ابواب/جلوس پر منقسم ہے۔ پہلا باب/جلوس شہاب الدین غوری کے حالات پر مشتمل ہے اور آخری یعنی ۴۸واں باب/جلوس شاہ عالم پر ختم ہو جاتا ہے جو مختصر مگر نہایت جامع ہے۔

(۲۰)

اقبال نامہ

مترجم: سید بخش علی فیض آبادی (منشی دوم تفریق ہندی، فورٹ ولیم کالج، کلکتہ)
اوراق: ۴۱۰ مسطر: ۱۳ سطری سائز: ۲/۱۔۸x۲/۱۔۵ انچ
خط: معمولی نستعلیق بخط مترجم مرقومہ: تاریخ نامعلوم

ہندوستان کی مشہور تاریخ سیر المتاخرین (فارسی) مصنفہ سید غلام حسین بن سید ہدایت علی خاں حسینی طباطبائی کی دوسری جلد کے اس حصے کا تالیف کی حد تک آزاد ترجمہ[۱۴] ہے جو تاریخ بنگال سے متعلق ہے اور عہدِ سراج الدولہ سے میر جعفر وغیرہ کے حالات پر مشتمل ہے۔[۱۵]
سرورق پر کسی نے بطور یادداشت حسبِ ذیل عبارت لکھی ہے:۔

''اقبال نامہ ترجمہ سیر المتاخرین تالیف بخشش علی صاحب منشی دوم فریق ہندی گزارانیدہ میر صاحب موصوف۔ تاریخ مئی ۳۰ سی ام اپریل ۱۸۲۵ء در کتب خانہ سرکار داخل شد۔''

اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے یہ نسخہ خود مؤلف/مترجم کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ اور اپریل

۱۸۲۵ء سے قبل مکمل ہوگیا تھا۔

آغاز: ''حمد بے غایت کا سزاوار وہی خالق ہے جس نے فرش زمین کو آرام گاہ مخلوق بنایا.....، الخ''

کچھ حصہ، جس کا تعلق بنگال کی تاریخ (عہدِ سراج الدولہ) سے نہیں ہے، اسے مترجم نے نظرانداز کردیا ہے۔ تاریخ تصنیف درج نہیں ہے اور نہ مصنف کے حالات کا کہیں پتہ چلتا ہے۔

(۲۱)

جہانگیر شاہی

مترجم: مظہر علی خاں ولاؔ (منشی فریق ہندی، فورٹ ولیم کالج، کلکتہ)

اوراق: ۳۹۳ مسطر: ۱۳ سطری سائز: ۱/۲-۱۰x۱/۲-۸ انچ

خط: رواں نستعلیق بخط مترجم مرقومہ: ۱۸۰۹ء

اقبال نامہ جہانگیری (فارسی) مصنفہ محمد شریف معتمد خاں (۳ جلد)۔ شہنشاہ اکبر اور شہنشاہ جہانگیر کے عہد کی مکمل تاریخ ہے جو ۱۶۳۹ء میں تصنیف ہوئی۔

جلد اول:۔ اکبر کے اسلاف کے حالات۔ جلد دوم:۔ عہدِ اکبری (از تخت نشینی تا وفات)

جلد سوم:۔ عہدِ جہانگیری (از تخت نشینی تا وفات)

جہانگیر شاہی جلد سوم کا مکمل ترجمہ ہے، جو عہدِ جہانگیری سے متعلق ہے۔ ولاؔ کا اصل نام مرزا لطف علی ہے لیکن ادبی دنیا میں مظہر علی خاں کے نام سے مشہور ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کے کثیر التصانیف منشیوں میں سے ہیں۔ یعنی:

(۱) ترجمہ پندنامہ (کریما) از شیخ سعدی (مطبوعہ ۱۸۰۳ء)

(۲) ہفت گلشن از ناصر علی خان واسطی بلگرامی (۱۸۰۱ء)

(۳) قصہ مادھونل (برج بھاشا سے ترجمہ) (۱۸۰۱ء)

(۴) بیتال پچیسی۔ برج بھاشا سے باشتراک للولال کوی (۱۸۰۳ء)

(۵) اتالیق ہندی۔ باشتراق چند منشیان فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۳ء)

(۶) تاریخ شیر شاہی (فارسی) از عباس خاں بن شیخ علی شروانی (۱۸۰۵ء)

(۷) اُردو دیوان (مشتمل بر ۳۰۵ صفحات) اور

(۸) لطائف وظرائف (فارسی سے ترجمہ)

ولاؔ دہلی میں پیدا ہوئے (تاریخ پیدائش نا معلوم)۔ مرزا جان طپشؔ اور مصحفیؔ کے شاگرد تھے۔ شیفتہ نے "گلشنِ بے خار" میں انھیں ممنونؔ دہلوی کا شاگرد بھی لکھا ہے۔

ولاؔ کے والد کا نام سلیمان علی خاں ہے جو محمد زماں ودادؔ کے نام سے مشہور تھے، جو بادشاہ محمد شاہ کے دربار میں ملازم تھے۔ اس کے بعد نواب عزت الدولہ صولت جنگ موسوی خاں کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوگئے۔ دیباچہ میں ولاؔ نے لکھا ہے کہ ودادؔ اُردو فارسی کے بڑے شاعر تھے اور مرزا رفیع سوداؔ اُن کے شاگرد تھے۔ اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> "فن اشعار فارسی و ہندی و محاورہ دانی زبانِ اُردو و فارسی میں مہارتِ کلی تھی۔ چناں چہ مفتخر الشعراء مرزا محمد رفیع سوداؔ اور میاں خاکسارؔ خادم قدم شریف نے سرمایہ ریختہ گوئی کا اسی جناب کی شاگردی سے حاصل کیا اور مرزا محمد علی موجد نے اشعار فارسی کی طرز اس کی فیض صحبت سے حاصل کی اور اس جناب کے اشعار فارسی کا کلیات عالمگیر ثانی کے عرصے میں جب احمد شاہ درانی دوبارہ شاہ جہاں آباد میں آیا۔ کتنے ایک اشعار یاد ہیں۔ اُن میں سے کچھ لکھنے میں آتے ہیں......"

اپنے والد کی وفات (۱۵ر جمادی الاول ۱۱۸۱ھ) کے بعد ولاؔ نواب نجف قلی خاں مظفر جنگ کی سرکار میں ملازم ہوگئے۔ وہاں سے شہزادہ جہاندار شاہ (مرزا جواں بخت) کے سایۂ عاطفت میں منتقل ہوگئے۔ جب شہزادہ بنارس چلے گئے تو ولاؔ نواب آصف الدولہ کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ جہاں وہ ۱۸۰۰ء تک رہے۔

جب فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد لارڈ ولزلی نے لکھنؤ کے ادیبوں اور شاعروں کو کالج میں ملازمت کی دعوت دی تو ۱۸۰۰ء کے شروع میں ولاؔ نے بخشی الملک فخر الدین احمد خاں المعروف بہ مرزا جعفر ابن محسن خاں کی وساطت سے مسٹر اسکاٹ سے رابطہ قائم کیا اور فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوکر، جیسا کہ انھوں نے دیباچہ میں لکھا ہے، ۱۰ر مارچ ۱۸۰۰ء کو کلکتہ پہنچے اور ڈاکٹر گلکرسٹ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ولاؔ نے مندرجہ بالا کتابوں میں سے بیشتر ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش اور ایما سے لکھی تھیں۔ ڈاکٹر گلکرسٹ نے ولایت واپس جانے کے بعد ڈاکٹر ڈبلیو ہنٹر کے عہد سربراہی میں ولاؔ نے

۱۸۰۹ء میں ''اقبال نامہ'' کا ترجمہ ''جہانگیر شاہی'' کے نام سے مکمل کیا۔ زیرِ نظر نسخہ خود ولاؔ کے ہاتھ کا قلمی ہے اور فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ سے یہاں منتقل ہوا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، زیرِ نظر ترجمہ ڈبلیو ہنٹر کے عہد سربراہی میں شروع ہوا اور کپتان ٹیلر کے زمانے میں لارڈ منٹو کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

شروع کے ۱۱ اوراق دیباچہ پر مشتمل ہیں جس میں نثر و نظم میں اپنے مربی لارڈ منٹو کی مدح کی ہے اور مختصراً اپنے حالات لکھے ہیں اور ساتھ ہی اپنے دادا نواب آقا محمد حسین اصفہانی، جو علی قلی خاں کے نام سے مشہور تھے، کے حالات اور ان کے فارسی کلام کا اقتباس نقل کیا ہے۔

آغاز: ''جمیع حمد اس شہنشاہ معظم کو سزاوار ہے جو سب سے برتر و بہتر ہے اور جس نے کُن کے کہنے میں کون و مکان کو پیدا کیا اور اس ذرہ بے مقدار کو گویا اور اگر ہر موئے تن اس کا زبانِ گویا رکھتا ہو تو یہ تیرا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ مثنوی......، الخ''

دیباچہ ورق ۱۲ سے شروع ہوتا ہے:۔

''مقدمہ۔ وہ بلند اقبال لائقِ تختِ بادشاہی و فرمانروائی کے ہوسکتا ہے۔ اس کو تاجِ شہنشاہی کا زیب دیتا ہے کہ جس کی مراد کا نہال جوئبار رحمت باری سے سرسبز و شاداب ہووے.....، الخ''

کتابت خود مترجم نے رواں نستعلیق میں کی ہے۔ مختلف روشنائیاں اور قلم استعمال کیے گئے ہیں۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔

ترقیمہ: ''احسان اس خدائے عز و جل کا کہ جس کی عنایت کامل اور افضال شامل سے جمادی الثانی کی ساتویں تاریخ مطابق اکیسویں جولائی ۱۸۰۹ء جمعے کے روز جہانگیر شاہی اتمام و انصرام کو پہنچی اور اس کی تاریخ بھی اس طرح لکھنے میں آئی:

اتمام کو جب پہونچا یہ ترجمہ تب وہیں — تاریخ کی خوش ہو کر کی فکر ولاؔ ہی نے

یوں روئے ہدایت سے ہاتف نے کہا مجکو — تاریخ جہانگیری ہے سالِ مسیحی سے''

ولاؔ نے لکھا ہے کہ ترجمہ کر کے جب میں نے مرزا کاظم علی جوان[16] کو دکھایا تو انھوں نے فی الفور یہ قطعہ تاریخ تصنیف فرمایا:

جہانگیر کا ہے جو اقبال نامہ

بار دُو زبان ترجمہ دل کو مرغوب

کیا لفظ لفظ اے جواں
جب ولاؔ نے ہوئی طبع کو میری تاریخ مطلوب
سن عیسوی میں زبان سے یہ نکلا ہوا اے ولا ترجمہ ہے کیا خوب

(۲۲)

شہنامہ ہندی

مصنف: (فارسی نظم) فردوسی (شاہنامہ)
مترجم: (اُردو نثر) سید نثار علی ترمذی نانوتوی
اوراق: ۳۸۱ مسطر: ۱۵ سطری سائز: ۹x۱۲-۱/۴ انچ
خط: خوشخط نستعلیق بقلم مترجم مرقومہ: ندارد

شاہنامہ ہندی بظاہر فردوسی کے شاہنامہ کے خلاصہ کا منشور ترجمہ ہے، لیکن در حقیقت یہ تاریخ شمشیر خانی[1] (فارسی) کو سامنے رکھ کر اس کے خلاصے کو اُردو میں منتقل کیا گیا ہے۔

تاریخ شمشیر خانی کے مصنف توکل بیگ ابن تلق بیگ الحسینی ہیں جنھوں نے فردوسیؔ کے شاہنامہ کو مختصر کر کے سال ۲۶ جلوس شاہجہانی ۱۰۹۳ھ/۱۶۵۳ء میں شہزادہ داراشکوہ کی گورنری کابل کے زمانے میں، اس کے ایک افسر شمشیر خاں کی فرمائش پر بمقام کابل تصنیف کیا تھا۔ توکل بیگ کی یہ تاریخ کئی ناموں سے مشہور ہے۔ مثلاً ''خلاصہ شاہنامہ''، ''تاریخ دلکشا'' اور ''منتخب شاہنامہ''۔ تاریخ شمشیر خانی، کیومرس سے اردشیر کے عہد کی تاریخ ہے۔

سید نثار ترمذی (ساکن قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور) نے اپنے دیباچہ میں اپنے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ وہ چودہ سال تک نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں کی سرکار سے وابستہ رہے۔ نواب سرفرز الدولہ بعہد نواب آصف الدولہ نائب صوبہ کے عہدے پر فائز تھے۔ اس کے بعد وہ کلکتہ آئے اور کچھ عرصہ الیگزانڈر گالوے کے ملازم ہو گئے۔ پھر کپتان ولیم استرک کی، جو لفٹنٹ جزل جارج ہیوٹ کے میر منشی تھے، ملازمت اختیار کی۔ کپتان ولیم کے انتقال (۱۰/اگست ۱۸۱۰ء) کے بعد چینا پٹم (مدراس) چلے گئے لیکن کچھ عرصے بعد کلکتہ واپس آ کر کپتان ولیم کے جانشین کپتان جیمس تھارن کی ملازمت اختیار کر لی اور کونسل کے حکم سے ''شہنامۂ ہندی'' تصنیف کی۔

ابتدائی دو ورق دیباچہ پر مشتمل ہیں جس میں مصنف نے اپنے حالات وغیرہ لکھے ہیں۔
روایتی حمد و نعت کے بعد کتاب کا آغاز ورق تین سے ہوتا ہے:۔
آغاز: ''تعریف بے نہایت اور توصیف بے حد خاص اس ذات واجب الوجود کو سزاوار ہے......،الخ''
عنوانات سرخ روشنائی سے تحریر کیے گئے ہیں۔ فردوسی کی مشہور ہجور (محمود غزنوی) کا منظوم ترجمہ بھی ورق ۳۸۱ پر درج ہے۔
کتاب قطعہ تاریخ ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء پر ختم ہوتی ہے۔ تاریخ کتابت بھی ۱۸۱۱ء بقلم مترجم درج ہے۔ اس کتاب کا کہیں دوسری جگہ ذکر نہیں ملتا۔

(۲۳)

تاریخِ نادری

مصنف: (فارسی) محمد مہدی ابن محمد نصیر استر آبادی
مترجم: (اُردو) سید حیدر بخش حیدری (منشی تفریق ہندی فورٹ ولیم کالج، کلکتہ)
اوراق: ۳۷۰ مسطر: ندارد سائز: ندارد
خط: خوش خط نستعلیق بخط مترجم مرقومہ: ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۷ء

تاریخ نادر شاہ افشار (۱۱۴۸ھ۔۱۱۶۰ھ/۱۷۳۶ء۔۱۷۴۷ء) کے خروج سے وفات تک نادر شاہ کے مقرب محمد مہدی ابن محمد نصیر استر آبادی نے فارسی زبان میں تصنیف کی تھی۔ اس کا تاریخی نام ''تاریخ جہانکشائے نادری'' ہے۔
حیدری[۱۸] نے اس فارسی تاریخ کا ترجمہ ''تاریخ نادری'' کے نام سے ڈبلیو ہنٹر کے ایما پر ۱۸۰۷ء میں کیا اور اُسے ڈاکٹر ڈبلیو ہنٹر کے نام سے معنون کیا تھا۔
اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے شروع میں ۱۱ اوراق کی فہرست مضامین دی گئی ہے اور اختتام پر اسماء و مطالب کا اشاریہ شامل کیا گیا ہے۔
حسب روایت مترجم کے حالات زندگی اور مربی کی مدح کے بعد ورق ۳ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔
آغاز: ''ترجمہ ''تاریخ نادری کا۔ رموز آگاہی کے جاننے والوں۔ حکمت الٰہی کے دقیقہ

دریافت کرنے ہاروں پر ظاہر و عیاں ہے......الخ"

قرآنی آیات اور عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ آخر میں ایک اختتامیہ مثنوی ہے۔ کتاب خود حیدری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور اس کا کوئی دوسرا نسخہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا۔ مولوی حامد حسن قادری نے اسے نایاب لکھا ہے۔

چھ اشعار کے ایک قطعہ تاریخ تصنیف پر، جو رائے کھیم نارائن کی تصنیف ہے، کتاب ختم ہوتی ہے۔ وھوا ہذیٰ:

تاریخ نادری سے عدد ناز کے نکال ہے سال اس کتاب کا تاریخ نادری

۱۸۰۷ء

(۲۴)

ترجمہ بلوند نامہ

مصنف: (فارسی) مولوی خیرالدین محمد جونپوری

مترجم: (اُردو) شیو بھیکن لال بالاپوری

اوراق: ۱۷۵ مسطر: ۱۲ سطری سائز: ۱۲x۲/۱۔۷ انچ

خط: معمولی نستعلیق مرقومہ: غالباً ۱۸۷۰ء

"بلوند نامہ" ایک غیر مطبوعہ فارسی تاریخ کا ترجمہ ہے جس میں بنارس کے راجاؤں کے حالات درج ہیں۔ فارسی تاریخ کے مصنف مولوی خیرالدین محمد جونپوری ہیں جو انھوں نے سر جان شور گورنر کی فرمائش پر تصنیف کیا تھا۔ فارسی مصنف کا ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء میں انتقال ہوا[19]۔ مولوی خیرالدین کی چند اور بھی تصانیف ہیں[20]۔

"بلوند نامہ" کے متعدد نسخے "تحفۂ تازہ" کے نام سے بہت سے کتب خانوں[21] میں پائے جاتے ہیں۔

بحوالہ دیباچہ اُردو ترجمہ شیو بھیکن لال ولد لالہ رام بھرو سے لال ساکن موضع بالاپور ضلع غازی پور نے کیا جو ولیم اولڈھام کلکٹر غازی پور (۱۸۷۰ء) کے پیشکار تھے۔ یہ ترجمہ اولڈھام کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔

اصل فارسی کتاب کے متعلق بیان کیا گیا ہے دو جلدوں مین پانچ بواب پر مشتمل ہے جن

میں سے جلد اول کے پہلے تین ابواب کا ترجمہ اُردو میں کیا گیا ہے:

باب اول......راجہ منسارام اور اس کے اعزا

باب دوم......راجہ بہادر رام سنگھ (۱۷۴۹ء سے ۱۷۷۱ء تک)

باب سوم......راجہ چیت سنگھ (۱۷۷۱ء سے ۱۷۸۱ء تک)

آغاز: ''شکر اس خداوند کا کہ ہیچ محل ذات اس کی...... واُو پر صفات اس کی درج معانی کا بازار......''

یہ مخطوطہ ولیم اولڈھام (کلکٹر غازی پور) نے ۲۹ر مئی ۱۸۷۰ء کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو تحفتہً پیش کیا۔ سرورق پر معطی کے دستخط ثبت ہیں۔ آخر میں کاتب کا نام بھی لکھا ہے جو پڑھا نہیں جاتا۔

(۲۵)

تاریخ شیر شاہی

مصنف: (فارسی) عباس خاں بن شیخ علی شروانی

مترجم: (اُردو) مظہر علی خاں ولاؔ (منشی فریق ہندی، فورٹ ولیم کالج، کلکتہ)

اوراق: ۱۶۶ مسطر: ۱۳ سطری سائز: ۸x۱۱ انچ

خط: خوبصورت نستعلیق مرقومہ: ۱۸۰۵ء

تاریخ شیر شاہی (فارسی) مصنفہ عباس بن شیر علی شروانی سلطان شیر شاہ سوری (۱۵۳۹ء۔ ۱۵۴۵ء) کے دورِ حکومت کی تاریخ ہے۔ اس کتاب کا اصل نام ''تحفہ اکبر شاہی'' ہے جو شہنشاہ اکبر کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ اس کا اُردو ترجمہ[۲۲] مظہر علی خاں ولاؔ نے جو فورٹ ولیم کالج کے منشیوں میں شامل تھے۔ کپتان جیمس مونٹ کے حکم سے کیا تھا۔ بروز جمعہ ۲ راگست ۱۸۰۵ء کو مکمل ہوا اور ہندوستان کے گورنر جزل مارکوئس ولزلی اور مارکوئس کارنوالس کے نام معنون ہے۔

آغاز: ''شکر ہے اس شہنشاہ برتر کا وہ واجب الوجود ہے......، الخ''

ترجمہ لفظی مگر رواں ہے۔ جو اقتباس ذیل سے واضح ہوتا ہے:

''......جب برادر شیر خاں کے پاس گیا اس نے یہ قسیمہ عہد و پیمان کیا کہ لاؤ ملکہ اور تم تینوں بھائیوں کے ساتھ کسی نوع کی مخالفت نہ کروں گا۔ اور

مہانداری کی رسم بخوبی بجالایا۔کوئی فرد وگزاشت نہ کی اور اس کے آنے
سے نہایت خوش ہوا........''

تاریخ اختتام ترجمہ وکتابت ۲راگست ۱۸۰۵ء ہے اور مترجم کے قلم کی تحریر ہے۔ حاشیہ پر اکثر صفحات پر انگریزی میں نوٹ تحریر ہیں جو اس نسخہ کے اصل ہونے کی دلیل ہے۔

(۲٦)

دہ مجلس

مصنف: (فارسی) حسین واعظ کاشفی
مترجم: (اردو) محمد بخش (برائے فورٹ ولیم کالج، کلکتہ)
اوراق: ۸۵ مسطر: ۱۳سطری سائز: ۳/۴-۱۰X۱/۲-۷/۱انچ
خط: معمولی نستعلیق بخط مظہر علی خاں ولاؔ مرقومہ: تاریخ نامعلوم (تصنیف ۱۲۱۹ھ) نسخہ اصل، غیر مطبوعہ۔

ملا حسین واعظ کاشفی کی ''روضتہ الشہدا'' کا ترجمہ محمد بخش نے اردو نثر میں ۱۲۱۸ھ میں شروع کیا تھا۔ ڈاکٹر گلکرسٹ کے حکم سے منشی مظہر علی خاں ولاؔ نے نظر ثانی کی اور ۱۸۰۴ء میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے سبکدوش ہونے کے بعد ان کے جانشین کپتان مونٹ کے عہد میں ۱۲۱۹ھ میں ولاؔ نے اسے مکمل کیا اور ایک قطعہ تاریخ بھی لکھ کر شامل کیا:

تاریخ کی تھی فکر کہ ہاتف نے یوں کہا
غم خانہ امام ۱۲۱۹ھ یہ تاریخ اس کی ہے

اور ولاؔ ہی نے اس دیباچہ کا اضافہ کیا ہے۔ حمد ونعت کے بعد لارڈ ولزلی گورنر جنرل کی مدح ہے۔ مترجم محمد بخش نے فارسی میں جہاں جہاں اشعار ئے تھے ان کا ترجمہ اردو نثر ہی میں کیا تھا۔ لیکن ولاؔ نے اشعار کا ترجمہ اردو اشعار ہی میں کیا ہے۔

آغاز دیباچہ ولا:

''درد تیرا میرے دل کی ہے دوا — رنج ہے، شادی و راحت ہے ملا
جو فنا فی اللہ ہیں جانے ہیں وہ — ہے فنا عینِ بقا عینِ بقا

الٰہی میں شہادت گاہ عشق میں ثابت رہوں
جو جو جفائیں جان پر ہو ویں...، الخ"

ترجمہ کتاب ورق ۴۔ا شروع ہوتا ہے:

روایت کرنے والے اخبار پر الم اور نقل والے حکایات درد و غم کے
اسطرح.....، الخ"

ترجمہ[۲۳] بھی مطابق اصل دس مجلسوں (یعنی ابواب) پر منقسم ہے۔ عنوانات کی جگہیں خالی چھوڑ دی گئی ہیں۔ شاید سرخ روشنائی سے لکھنے کا ارادہ ہو جو پورا نہ ہو سکا:

(۱) محمدؐ۔ ورق ۔۴۔ا (۲) فاطمہؑ۔ ورق ۔۱۲ (۳) علیؑ۔ ورق ۔۲۰ب
(۴) حسنؑ۔ ورق ۔ ۲۹۔ا (۵) مسلم بن عقیل ۔ ورق ۔ ۳۶۔ا (۶) فرزندان مسلم۔ ورق ۔۴۴۔ا (۷) حُر بن یزید ۔ ورق ۔۵۲۔ب (۸) قاسم ۔ ورق ۔۶۰۔ا (۹) عباس و علی اکبر۔ ورق ۔۶۷ و ۷۳ (۱۰) علی اصغر و حسینؑ۔ اوراق ۔۸۰۔ا، ۸۲ب

ترجمہ کی کتابت ولاؔ کے قلم کی معلوم ہوتی ہے جو نظر ثانی کے وقت لکھا لیکن کتابت کی تاریخ درج نہیں ہے۔ معمولی نستعلیق میں تحریر کیا گیا ہے۔ مخطوطہ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ کی ملکیت رہ چکا ہے۔

(۲۷)

تاریخِ آشام

مصنف: (فارسی) احمد بن محمد ولی المعروف بہ شہاب الدین طالشؔ
مترجم: (اردو) میر بہادر علی حسینی، (میر منشی، فورٹ ولیم کالج، کلکتہ)
اوراق: ۱۳۹ مسطر: ۱۷سطری سائز: ۳/۴۔۱۰X۳/۴۔۷ انچ
خط: معمولی نستعلیق بخط مترجم مرقومہ: ۱۸۰۵ء
(نایاب واحد نسخہ، غیر مطبوعہ)

شہاب الدین طالشؔ (احمد بن محمد ولی) نے ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۳ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے سپہ سالار میر جملہ (خانِ خاناں محمد سعید اردستانی) کی مہمات آسام و کوچ بہار (۷۳۔۱۰۷۲ھ/۶۳۔۱۶۶۲ء) "تاریخ آسام" کے نام سے تصنیف کی تھی۔ یہ کتاب کئی ناموں سے بھی

مشہور ہے مثلاً تاریخ ملک آسام، فتحیۂ عبریہ، فتحیہ عبرتیہ اور عجیبۃ غریبہ[۲۴]۔

میر بہادر علی حسینی، میر منشی فریق ہند فورٹ ولیم کالج کلکتہ نے کول بروک کے ایما سے ۱۸۰۵ء میں ''تاریخ آسام'' کا فارسی سے اردو میں ترجمہ[۲۵] کیا تھا۔ ترجمہ کی زبان عام روش سے ہٹ کر ہندی آمیز ہے۔ دیباچہ ورق ۱ (ب) سے شروع ہوتا ہے۔

> ''خدا کی حمد اور رسول کی نعت کے پیچھے سید بہادر علی حسینی نے آشام کی تاریخ کا جو محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی سلطنت میں نواب عمدۃ الملک میر محمد سعید اردستانی کے رفیقِ ولی احمد شہاب الدین طالش نے لکھی تھی......''

اصل کتاب کا ترجمہ ورق ۲ ب سے شروع ہوتا ہے۔

> ''اب یہاں سے تاریخ مذکورہ کا سرنامہ شروع ہوا۔ حمد کے ان گنت کتک اس بیچوں نرنکار کی مملکت کے دوار سیوک ہیں کہ جس نے شریعت و حقیقت کی لڑائی نے ولی تھنب سور ساونتوں...... الخ''

بحوالہ منشی کریم الدین مصنف ''تذکرہ طبقات الشعراء ہند''، حسینی کے والد کا نام سید عبداللہ کاظم ہے۔ دہلی میں مقیم تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا اردو ترجمہ قرآن مجید (۱۱۶۷ھ، ۱۲۳۰ھ) انھیں کے اہتمام سے سب سے پہلے دہلی میں چھپا۔ حسینی کے تفصیلی حالات مفقود ہیں۔ انھوں نے علاوہ ''تاریخ آشام'' کے چند اور کتابیں بھی فورٹ ولیم کالج کے لیے لکھیں۔ ان کی تالیفات کا سلسلہ ۱۸۰۲ء سے شروع ہو کر ۱۸۱۶ء میں ختم ہوتا ہے۔

(۱) نثر بے نظیر (۱۸۰۲ء)۔ (۲) اخلاق ہندی (۱۸۰۲ء)۔ (۳) ترجمہ قرآن مجید (بشمولیت مولوی امانت اللہ وغیرہ ۱۸۰۴ء)۔ (۴) تاریخ آشام (۱۸۰۵ء)۔ (۵) رسالہ گلکرسٹ کا خلاصہ (مطبوعہ ۱۸۱۶ء)

اس کے علاوہ ''قصہ لقمان'' کے ترجمہ میں بھی شریک تھے۔

منشی کریم الدین نے حسینی کو ''شاعرِ ذی قدر'' لکھا ہے۔ حسینیؔ تخلص کرتے تھے۔

مخطوطہ پر کتابت کی تاریخ نہیں دی گئی۔ مترجم کے قلم سے لکھا ہوا ہے اور فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ کی ملکیت رہ چکا ہے[۲۶]۔

واقعاتِ اکبر

مصنف: (فارسی) ابوالفضل علامی
مترجم: (اردو) خلیل علی خاں اشکؔ (منشی فریق ہندی، فورٹ ولیم کالج، کلکتہ)
اوراق: ۴۸۱ مسطر: ۱۳ سطری سائز: ۲/۱۔۱۰X۲/۱۔۷ انچ
خط: رواں نستعلیق بخطِ مترجم مرقومہ: ۱۸۰۹ء
(نایاب واحد نسخہ غیر مطبوعہ)

''واقعاتِ اکبر'' کا یہ نایاب مخطوطہ ابوالفضل علامی کے مشہور ''اکبر نامہ'' (۳ جلد، مصنفہ ۱۵۹۶ء تا ۱۶۰۱ء) کی پہلی جلد کے پہلے حصہ کا خلیل علی خاں اشکؔ نے اردو ترجمہ کیا ہے، جو اکبر اعظم کے آبا وَ اجداد سے ہمایوں بادشاہ کی وفات (۱۵۵۶ء) تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کے ابتدائی باب میں اکبر اعظم کی پیدائش کے وقت از روئے نجوم ستاروں کی صورت حال سے بحث کی گئی ہے۔

اشک نے جب یہ ترجمہ شروع کیا تو کپتان ٹیلر فورٹ ولیم کالج کے سربراہ تھے اور ان کے جاں نشین ڈاکٹر ولیم ہنٹر کے دور ۱۸۰۹ء میں ختم کیا۔ شروع میں ۶ صفحات کا دیباچہ اور اس کے بعد مقدمہ ہے جو ورق ۶ پر ختم ہوتا ہے۔

آغاز دیباچہ:

> ''حمد اس گیتی ستان بلندی و پستی کی جس نے ایسا چتر افلاک کا جواہر نگار سر پر شاہانِ جہاں کے رکھا اور اپنی ظلِ حمایت کا تاج انھیں دے کر...... نام پر کتاب کا واقعاتِ اکبر رکھا کیوں کہ تاریخ اس کی یہی ہے لیکن دیباچہ کو اس کے موقوف کر کے ابتدائے پیدائش سے جلال الدین محمد اکبر شاہ کی لکھا اور بس کہ قیدِ ترجمہ کی بھی بہت نہیں کی ہے لیکن محاورہ ہاتھ سے نہیں دیا اور بیشتر اصطلاحیں اس کی رکھی ہیں۔ چناں چہ امیر تیمور صاحبقران ... اور اصطلاحاتِ نجوم جو زائچہ میں ہیں ان کو بھی دیباچہ ہی میں بیان کیا......''

مقدمہ کے عنوان سے جیسا کہ دیباچہ میں بیان کیا گیا اصطلاحاتِ نجوم کی تشریحات درج کی گئی ہیں۔ اصل کتاب کا ترجمہ ورق ٦ ب سے شروع ہوا ہے۔

> ''ذکر طالع ہونے کا سعد اکبر کے یعنی ولادت با سعادت کا حضرت شاہنشاہی ظلِ الٰہی کے......''

جہاں جہاں فارسی اشعار آئے ہیں ان کا ترجمہ اشکؔ نے اردو اشعار میں کر دیا ہے۔ یہ نسخہ بلاشبہ مترجم کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ اگر چہ ترقیمہ میں تاریخِ کتابت نہیں لکھی گئی ہے لیکن ۱۸۰۹ء ہی اس کی تاریخِ کتابت بھی ہے کہ جب ترجمہ مکمل ہوا تھا۔

مترجم کی دوسری کتابیں جو کتاب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہیں اور یقیناً فورٹ ولیم کالج سے یہاں منتقل کی گئی ہیں۔ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) منتخب القوائد (۱۸۱۰ء)　　(۲) قصہ رضوان شاہ المعروف بہ نگار خانہ چین (۱۸۰۴ء)

مورخین نے اشکؔ کی صرف ایک کتاب ''داستانِ امیر حمزہ'' (۱۲۱۵ھ) پر تفصیلی بحث کی ہے اور ''واقعاتِ اکبری'' کی صرف نشان دہی کی ہے۔ صاحب ''اربابِ نثر اردو'' نے دوسرے ایڈیشن (صفحہ ۲۳۱) میں اس کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ:

> ''اشکؔ کا دوسرا قابلِ قدر کارنامہ ''واقعاتِ اکبر'' ہے جو انھوں نے ۱۸۰۹ء میں کپتان ٹیلر کے ایما سے علامی ابوالفضل کی مشہور کتاب ''اکبر نامہ'' یورپ کے بڑے بڑے کتب خانوں میں بھی اس کا کوئی نسخہ یا مسودہ موجود نہیں ہے......ہم نہیں کہہ سکتے کہ اشکؔ کا ترجمہ دست بُردِ زمانہ سے محفوظ ہے یا نہیں......''

اس کتاب کی نشان دہی کا ماخذ (معہ ۱۸۰۹ء تاریخ ترجمہ) کیا ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔ بہر حال ''واقعاتِ اکبر'' (نہ کہ اکبر نامہ) کا مسودہ بخط مترجم زیرِ نظر ہے جو نایاب اور واحد نسخہ ہے۔ تمام مورخینِ ادبِ اردو نے اشکؔ کے حالاتِ زندگی کے متعلق بھی افسوس کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی ہے۔ جو ہم نے مخطوطہ ۱۹ کے تحت اسی سے اخذ کر کے درج کر دیے ہیں۔ مولوی عبدالحق نے (رسالہ اردو نمبر ۱۵، صفحہ ۴۸۵) اور یحییٰ تنہا نے (سیر المصنفین، صفحہ ۱۳۶) اس ترجمہ کا ''واقعاتِ اکبری'' کے نام سے ذکر کیا ہے لیکن دونوں نے اشکؔ کا نام خلیل علی خاں کے بجائے ''خلیل اللہ خاں'' لکھا ہے جو غلط ہے۔ اشکؔ کی ''فوائد الفوائد'' اور ''قصہ رضوان شاہ'' کا کسی جگہ ذکر نہیں ملتا

جن کی تفصیلات آگے آئیں گی۔

(۲۹)

ضرب الامثال

مؤلف/مصنف: نامعلوم

اوراق: ۶۴ مسطر: ۱۳سطری سائز: ۲/۱۔۱/۲X۱۰۔۱/۲۔۷انچ

خط: معمولی نستعلیق مرقومہ: تاریخِ کتابت نامعلوم

عربی و فارسی ضرب الامثال کا مجموعہ معہ اردو ترجمہ۔ مصنف اور مترجم کا نام نہیں ہے اور نہ کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوسکا۔

کتاب ۲ حصوں پر منقسم ہے (ورق ا سے ۳۱ تک) فارسی اور ورق ۳۱ سے ۶۴ تک عربی۔ ضرب الامثال کو پہلے لفظ کی بنیاد پر باعتبار حروفِ تہجی مرتب کیا گیا ہے اور اردو ترجمہ کے نیچے مثالیں دے کر مطلب واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً

ضرب المثل: آنچہ عیان است چہ حاجت بہ بیان

ترجمہ: جو کہ ظاہر ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں

مثال: کیا پہروں سے تکرار کررہا ہے۔ بھائی مطلب تو صاف معلوم ہوتا ہے۔
آنکہ عیان است چہ حاجت بہ بیان......"

اول سے آخر تک اردو ترجمہ سرخ روشنائی سے لکھا ہے۔ کتاب ورق ۶۴ ب پر پہنچ کر یکایک رُک جاتی ہے۔

آخری ضرب المثل یہ ہے۔

ضرب المثل: ھل جزاء الاحسان الا الاحسان

ترجمہ: "نہیں ہے جزا احسان کی مگر احسان۔"

(۳۰)

خوانِ نعمت

مترجم: سید حمید الدین بہادری

اوراق:۹۰ مسطر: ۱۳سطری سائز: ۱/۲-۱۰X۲/۱-۷انچ

خط: معمولی نستعلیق (بخط مترجم) مرقومہ:۱۸۰۱ءاور۱۸۰۴ء کے درمیان (اصل غیر مطبوعہ)

''خوانِ نعمت'' بقول مترجم ایک فارسی کتاب ''خوانِ الوان''[۲۷] کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ سید حمید الدین بہادری نے ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما سے کیا تھا۔ اصل کتاب ۲۴ ابواب پر مشتمل تھی۔ مترجم نے ''باب'' کی جگہ ''خوان'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ انواع واقسام کے کھانوں کی تیاری کا طریقہ اور اجزاء کی تفصیل دی گئی ہے۔

خوان ۱۸ (ورق ۷۹ب) تک کھانوں کے نام پنسل سے لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد سرخ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ ترجمہ ورق ۹۰ب پہنچ کر یکا یک رک جاتا ہے۔ فہرستِ مضامین (ورق ۲ب) کی رو سے آخری باب مصطلحات کا ہے جو شامل نہیں ہے۔ آخری صفحہ پر صرف ''خوان ۲۴'' کا عنوان سرخ روشنائی سے لکھا ہے۔ کتاب نامکمل حالت میں ہے اور قرائن سے مترجم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ زبان سادہ اور عام فہم ہے۔

آغاز:

''کروڑوں شکر اور احسان اس خالق کے جس کے خوانِ احسان سے ہر
ایک خاص وعام کو لاکھوں طرح کی نعمتیں بے کھٹکے......الخ''

ترقیمہ ندارد ہے۔ غالباً یہ نسخہ ۱۸۰۴ء سے قبل یعنی ڈاکٹر گلکرسٹ کے صدارت کالج سے سبکدوش ہونے سے پہلے ہی لکھا گیا ہوگا۔

(۳۱)

رسالہ راگ

مصنف: سورداس

اوراق:۱۰۸ مسطر: ۱۷سطری سائز: ۱/۴-۹X۱/۴-۱۵انچ

خط: نستعلیق معمولی مرقومہ: اندازاً آخر اٹھارویں صدی عیسوی

قدیم مشہور ہندی شاعر[۲۸] سورداس کے ہندی راگوں کا مجموعہ، کرشن اور رادھا کی منقبت میں۔ کسی نامعلوم کاتب نے خطِ نستعلیق میں لکھا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی سے تحریر کیے گئے ہیں۔

آغاز: ''بال ہنود بہانوتی لیارات پنبت من بھا کی ہو.....''

(۳۲)

سورساگر

مصنف: سورداس

اوراق:۳۷۸ مسطر: ۱۵سطری سائز: ۱/۴-۹X۱/۲-۱۵انچ

خط: نستعلیق شکستہ آمیز مرقومہ:۷۸۵سمت

قدیم مشہور ہندی شاعر سورداس کی مشہور تصنیف جسے کسی نامعلوم کاتب نے خط نستعلیق میں تحریر کیا ہے۔کرشن رادھا کی شان میں راگوں پر مشتمل ہے۔

سورداس ہندی ادب میں ایک بلند مقام رکھتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ۷۵۰۰۰ اشعار تصنیف کیے تھے۔

۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔۱۵۶۳ء میں بعمر ۸۰سال وفات پائی۔ متھرا (یوپی۔ ہندوستان) میں تعلیم پائی۔مشہور ہندو صوفی ولبھ چاری کا چیلا تھا۔سورداس کا باپ رام داس شہنشاہ کا درباری گویا تھا۔

بھاگوت پوران، سوراوتی، ساہتیہ لہری، نل اور دمینتی وغیرہ اس کی مشہور تصانیف ہیں اور قدیم ہندی کی مستند کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔

آغاز:

''شری کرشن جیو سہانے۔ وسم اسکندہ سری بھاگوت آرنبہ پرنہم۔ پنجم ادیہائی۔ پوتھی سورساگر۔ راگ بلاول۔ ہر ہر سمرن کرو۔ ہر چرن آربند اوردہرو......''

کاتب کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔۷۸۵ سمبت میں نقل کی گئی۔

(۳۳)

رسالہ در بیان معدنیات

مصنف: بابوشب چند

اوراق: ۳۵   مسطر: ۱۳سطری   سائز: ۲-۱/۲X۷-۱/۲-۱۵انچ

خط: شکستہ   مرقومہ: ۲۱ردسمبر۱۸۴۱ء

بابوشب چندرا کی اردو تصنیف ''دربیان معدنیات'' کا خلاصہ ہے جیسا کہ ترقیمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اصل کتاب اعلیٰ ثانوی جماعت کی درسی کتاب ہے جو ۱۴۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ کسی طالب علم نے ہر باب کا خلاصہ کیا ہے۔ چند ابواب چھوڑ دیے ہیں۔ مثلاً باب ۲۰ سے ۲۲ تک اور ۳۹ سے ۴۲ تک۔ انگریزی اصطلاحات کو نستعلیق شکستہ آمیز ہی میں لکھا ہے۔

آغاز: ''سب اشیاء مفرد یا مرکب ہیں۔ مفرد مثلاً......''

کاتب کا نام، جو آگرہ کا رہنے والا ہے، پڑھا نہیں جاتا۔

(۳۴)

دیوانِ درد

مصنف: خواجہ میر درد[۲۹] دہلوی

اوراق: ۴۸   مسطر: ۱۳سطری   سائز: ۹X۲-۱/۲-۱۵انچ

خط: نستعلیق شکستہ آمیز   مرقومہ: تاریخ کتابت نامعلوم

خواجہ میر درد کا اردو دیوان[۳۰] جو ۱۴۹ غزلیات، ۳۸ رباعیات، ۲ مخمسات پر مشتمل ہے، جن کی ترتیب باعتبار حروفِ تہجی کی گئی ہے۔

آغاز:

''مقدور ہمیں کب تیری زلفوں کی رقم کا   حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

اس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے   ....''

موجودہ مخطوطہ شکستہ آمیز نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں ہے۔ کتب خانہ فورٹ ولیم کالج کی ملکیت رہ چکا ہے۔

اس شعر کے بعد یہ غزل شروع ہوتی ہے۔

ہوا ہے دل مرا مشتاق تجھ چشم شرابی کا   خراباتی اوپر آیا ہے شاید دن خرابی کا

ورق ۱۰۵ اپر غزلوں کے اختتام کے بعد بازگشت کے عنوان سے چند اشعار ہیں۔

سب چمن کے گلرخاں کا توں ہے زیب اے گلبدن

گلبدن تجھ سا نہ دیکھا گرچہ دیکھا سب چمن

اس کے بعد مختلف اصنافِ سخن کی ترتیب حسبِ ذیل ہے:

مخمس، ترجیع بند، مستزاد، رباعیات، فردیات، جھولنا، واسوخت۔ ورق ۱۰۵ اب سے ۱۰۶ ب تک یہ مستزاد درج ہے۔ مطلع ہے:

بیتاب کیا شوق نے مجھ دل کو بدن میں   گل   پیر   ہناں   کا

اس کے بعد مخمس ہیں:

مطلب نہیں ہے ہم کوں حسیناں نعیم کا
کچھ خوف نہیں ہے ہم کو عزیزاں جحیم کا
ہوس دل میں سدا تیرے ہے سونے اور کھانے کا
پھرے اس فکر میں نس دن ہوا ندھا بیل گھانے کا
ہمسر ہو ترے دعوے میں اڑ کون سکے گا
غواص ہو تجھ بحر میں پڑ کون سکے گا
اے یار من بھلا ہے گا
بیچ اس کے بہت جفا ہے گا
حضرت نبی کے نور سیں سب جہاں نورانی ہوا
روشن علی کی آل پر دل جاں قربانی ہوا
تجھ قد نے مجھ نگاہ کو عالی نظر کیا
تجھ مکھ نے شوق بدر کوں دل لے بدر کیا

ترجیع بند:

کہاں ہے عزیزاں وہ رشک پری کہ جس ماہ رو کا ہے دل مشتری

در مدح قدوۃ العارفین شاہ وجیہ الدین:

اے تو مقبول سرور عالم اے تو مہر ست دختر عالم

رباعیات و فردیات کے بعد جھولنا کے عنوان سے شیخ سعدی کی مشہور نعتیہ رباعی کی تضمین ہے:

گئے رات معراج کے عرش پر اُپر بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کھلے پردے سب بھید کے سر بسر کشف الدجیٰ بجمالہٖ

ہوئی حق کی اُن پر سو حُب کی نظر حسنت جمیع خصالہٖ
ہوا حکم حق کا محبّاں اُپر صلو علیہ وآلہٖ

مخطوطہ خط شکستہ میں کسی رحمت خان ساکن کرسی نے ایک طالب علم مرزا ادریس محمد کے لیے ۴/ جمادی الاول ۱۱۴۶ء کا لکھ کر ختم کیا۔

(۳۵)

دیوانِ ولؔی

مصنف: ولی دکنی (ولی اللہ)

اوراق: ۱۱۵ مسطر: ۱۵ سطری سائز: ۲/۱۔۷X۲/۱۔۴ انچ

خط: شکستہ مرقومہ: ۴/ جمادی الاول ۱۱۴۶ھ

(ولی کی وفات کے تین سال بعد لکھا گیا)

دیوانِ ولی کا یہ نسخہ نامکمل ہے۔ شروع کے ۱۲ صفحے غائب ہیں۔ صفحہ ۱۳ پر جناب علیؓ کے قصیدۂ منقبت کے اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

نشانہ گاہ کئے قابلاں کے دل کوں تمام
فلک کے قوس سوں چھوٹے بلا کے جو جو خدنگ

ابتداء میں تین قصائد ہیں۔ جن میں سے پہلا قصیدہ نامکمل ہے باقی دو مکمل ہیں:

قصیدہ نمبر ۱ میں ۱۴۶ اشعار ہیں "درمدح حضرت شاہ وجیہ الدین نور اللہ مرقدہٗ" مطلع ہے:

ہوا ہے خلق اُپر پھر کہ فضلِ سبحانی کہ کیا ہے ابر نے رحمت سیں گوہر افشانی

قصیدہ نمبر ۲ میں ۱۲۰ اشعار ہیں "درمدح بیت الحرم"۔ مطلع ہے:

کیا ہے غم مجھکوں اگر جگ میں نہیں مونس غم
آہ یو بس ہے مرے درد کوں دل کے مرہم

قصیدہ نمبر ۳ "درتعریف گجرات" ۱۳ شعر کا ہے۔ مطلع ہے:

گجرات کے فراق کوں ہے خار خار دل
بے تاب ہے سینے میں آتش بہار دل

مقطع ہے:

لیکن ہزار شکر وؔلی حق کے فیض سوں   پھر اس کے دیکھنے کا ہے امید وار دل

قصائد کے بعد مثنویاں ہیں۔ پہلی مثنوی "در توحید باری تعالیٰ" ہے۔ جس میں ۱۳۱ اشعار ہیں (ورق ۱۴۔۵ب) مطلع ہے:

الٰہی دل اُپر دے عشق کا داغ   یقیں کے تین میں سٹ کحل کا زاغ

دوسری مثنوی "در تعریف شہر سورت" ۱۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ مطلع ہے

عجب شہراں میں ہے اک شہر پُر نور
بلا شک وہ ہے جگ میں ..... مقدور؟[۳۱]
کہ ہے مشہور اس کا نام سورت
کہ جاوے جس کے دیکھے سب کدورت

یہ مثنوی ورق ۵ (اصل ورق ۱۲ب) پر یکایک اس شعر پر رک جاتی ہے:

اے بلبل پاک بینی سوں نظر کر   کثافت کے نظر سوں بھی حذر کر

دیوان کا ورق ۱۳ غائب ہے۔ ورق ۱۴ ایک غزل کے آخری شعر سے شروع ہوتا ہے

وؔلی جننے نباندھا دلکوں اپنی نونہالاں سوں
نپایا پھل جہاں میں اونے ہرگز زندگانی کا

(۳۶)

دیوانِ وؔلی

مصنف: وؔلی دکنی

اوراق: ۱۱۲   مسطر: ۱۵ سطری   سائز: ۲/۱۔۹X۱/۱۔۱۵ انچ

خط: شکستہ   مرقومہ: شعبان ۱۵.....ھ

دیوانِ وؔلی کا یہ نسخہ (۳۵) سے ترتیب میں مختلف ہے۔ اس کی ترتیب یہ ہے:

قصائد (ورق ۲ سے ۱۳ تک)، غزلیات (ورق ۱۳ سے ۹۷ تک)

مخمس، مسدس، رباعیات وغیرہ (ورق ۹۷ سے ۱۱۲ تک)

آغاز:

لی زبان پر تون اول اول   نام پاک خدائے عزوجل

پہلی غزل کا مطلع

کیتاں ہوں ترے نانو میں ورد زباں کا
کیتا ہوں تری شکر کو عنوان بیاں کا

مقطع:

کہتا ہے ولؔی دل ستی یو مصرعہ رنگیں
بہتری مجھ کوں سبب راحت جاں کا

سرورق پر دو مہریں ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ ہینزی بارلو کی ملکیت تھا۔ حاشیہ سرخ روشنائی سے کھینچا گیا ہے۔ کاتب کا نام معلوم نہیں۔ تاریخِ کتابت مبہم ہے۔ شعبان ۵۱....ھ لکھا ہے۔ پہلے دو اعداد نہ ہونے کی وجہ سے تاریخ کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

(۳۷)

دیوانِ ممنونؔ

مصنف: میر نظام الدین ممنونؔ

اوراق: ۸۴ مسطر: ۱۱ سطری سائز: ۲/۱-۹X۱۶ انچ

خط: خوش خط نستعلیق مرقومہ: ۱۸۱۳ء

میر نظام ممنونؔ دہلی کے رہنے والے۔ میر قمرالدین منت کے فرزند۔ ملکۂ شاعری ورثہ میں ملا تھا۔ جوان العمری ہی میں مرتبہ استادی کو پہنچ گئے تھے۔

اکبر شاہ ثانی کے دربار سے وابستہ تھے اور بقول اشپرنگر دربارِ شاہی سے فخر الشعراء کا خطاب عطا ہوا تھا۔ سلسلۂ نسب سید جلال بخاری سہروردی (اوچی) تک پہونچتا ہے۔

زیرِ نظر نسخہ مثنویات سے شروع ہوتا ہے جو اکبر شاہ ثانی اور ولی عہد بہادر کی مدح میں ہیں۔ ایک قصیدہ نواب امین الدولہ ابراہیم علی خاں خلیلؔ (مؤلف تذکرۂ گلزارِ ابراہیم) کی شان میں ہے۔ اس کے بعد ان کے والد میر قمرالدین منتؔ کا مرثیہ ہے جن کا ۱۲۰۸ھ میں بمقام کلکتہ انتقال ہوا تھا۔ (ورق ۲۴)

آغاز (مثنوی):

سحر گہ کہ دل بال افشاں ہوا کئی دم میں طے وسع امکاں ہوا

غزلیات ورق ۲۵۔ب سے شروع ہوتی ہیں۔ (ورق ۲۵۔ا خالی ہے)۔ سرِدیوان مطلع و حسنِ مطلع ہے:

بندہ ہوں حُسنِ صورتِ عشقِ مجاز کا	ہر آئینہ میں جلوہ ہے اس جلوہ ساز کا
از خویش رفتگی ہی پہ غم غش یہاں نہیں	عزم کلیسیا و ارادہ حجاز کا

ورق ۷۹ب سے مخمس وغیرہ شروع ہو کر ورق ۸۴ پر ختم ہوتے ہیں۔
خوش خط نستعلیق میں (نامعلوم کاتب نے) ۱۸۱۳ء/۱۲۸۱ھ میں کتابت شدہ ہے[۳۲]۔

(۳۸)

دیوانِ حسنؔ

مصنف: میر حسنؔ، غلام حسن دہلوی
اوراق: ۸۱ ا مسطر: ۱۵سطری سائز: ۱۰X۱۶ انچ
خط: نستعلیق شکستہ آمیز مرقومہ: ۱۱۹۸ھ

مشہور اردو مثنوی سحر البیان کے مصنف، صاحب ''تذکرہ شعرائے اردو'' میر حسنؔ دہلوی، نام میر غلام حسن، میر غلام حسین ضاحکؔ کے فرزند۔ سلسلۂ نسب امامی ہروی سے ملتا ہے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں لکھنؤ چلے گئے۔ بقیہ عمر وہیں بسر کی ۱۲۰۱ھ[۳۳] میں وفات پائی۔ نواب سالار جنگ کی سرکار سے تاعمر وابستہ رہے۔ میر ضیا الدین ضیاؔ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ دیوانِ اردو[۳۴] (جو جملہ اصنافِ سخن پر حاوی تقریباً آٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے) کے علاوہ حسبِ ذیل تصانیف ان سے یادگار ہیں: (۱) تذکرۂ شعرائے اردو (۱۱۸۸ھ تا ۱۱۹۲ھ) (۲) مثنوی رموز العارفین (۱۱۸۸ھ)، (۳) مثنوی گلزارِ ارم (۱۱۹۲ھ)، (۴) مثنوی سحر البیان (کتب خانہ حبیب گنج کی کلیات میں چھوٹی بڑی گیارہ مثنویاں ہیں[۳۵])

آغاز: غزلیات (ورق ۱۲ا تا ۱۴۰اب)

رحمت کے ابر میں جو گہر تھا قدیم کا	دے آب او نسے ہو یہاں آنسو یتیم کا
تھا نورِ احمدی ہی تجلّیِ طور میں	باقی نہ جس سے ہوش رہا کچھ، کلیم کا

اس کے بعد مختلف اصنافِ سخن پر حاوی ہے:
مخمس (ورق ۱۴۱ ا تا ۱۴۰ ا)، رباعیات (ورق ۱۵۷ ا تا ۱۷۲ ب)
قطعات، فردیات (۱۷۳ ا تا ۱۷۴ ا)

چیستان درزبانِ ہندی (۱۷۴اب تا ۱۸۰اب)
آخری صفحہ پر ''خواجہ ابراہیم چشتی'' کا قطعہ تاریخِ وفات ہے جو (کسی شاعر) عشق نے فارسی میں لکھا ہے۔

(۳۹)

دیوانِ تجلّی

مصنف: تجلّی

اوراق: ۲۱۳ مسطر: ۱۳سطری سائز: ۱۶x۹انچ

خط: معمولی نستعلیق مرقومہ: تاریخ نامعلوم (غالباً ابتدائی انیسویں صدی عیسوی)

تجلّی کا عرف میاں حاجی تھا۔ دہلی کے رہنے والے میر محمد حسین کلیم [۳۶] کے فرزند اور میر تقی میر کے بھانجے تھے۔ سپاہی پیشہ تھے۔ علاوہ دیوان کے ''مثنوی لیلیٰ مجنوں'' بھی ان سے یادگار ہے۔ تاریخِ پیدائش اور وفات معلوم نہیں۔ زیرِ نظر مخطوطہ غزلیات (۱۱۸اوراق)، رباعیات (۱۱۹ب تا ۱۲۸اب)، مخمسات، ترجیع بند، مناقب، مراثی (۱۲۸اب تا ۱۸۲ا) پر مشتمل ہے۔ آخر میں تین مثنویاں درج ہیں (ورق ۱۸۲اب تا آخر)۔ (۱) آتشِ عشق (۲) نالۂ شوق (۳) اظہارِ عشق۔

مطلع دیوان

پڑھوں کب نامۂ اعمال جب لک اس کے قامت کا
......، ......، [۳۷] بسم اللہ دیوان قیامت کا

علاوہ کاتب کے کسی شخص نے مطلع قلم زد کر کے اس کی جگہ یہ مطلع لکھ دیا ہے۔

پڑھوں کب ناز نامہ یار کے میں راست قامت کا
......، ......، جب لک ایک مصرعہ دیوان قیامت کا

اسی غزل کے تیسرے اور بعد کی غزل کے چوتھے شعر پر بھی اصلاح درج ہے۔ غزلیات کی ردیف وار ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔

پہلی مثنوی ''آتشِ عشق'' کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

سن اے عاشق خریدار محبت
بلا گردانِ بازارِ محبت

''آتشِ عشق'' سے ۱۱۷۱ھ/۱۷۵۱ء تاریخِ تصنیف بھی نکلتی ہے۔ دوسری مثنوی ''نالۂ شوق'' کا پہلا شعر یہ ہے:

اے صبا گر جائے تو گلزار کو　　　یعنی کوئے یار گلرخسار کو

آخری شعر سے تاریخِ تصنیف نکلتی ہے:

اس کی ہے تاریخ اے سخن　　　مرحبا اے طوطی لشکر شکن

(۱۱۸۶ھ۔۱۷۶۶ء)

تیسری مثنوی ''اظہارِ عشق'' کا پہلا شعر ہے:

سنا ہوئے گا اک تجلّی جواں　　　جگر تفتہ، دل رفتہ، آتش زباں

اور آخری شعر سے تاریخ نکالی ہے:

جو تاریخ چاہی تو اے دلنواز　　　یہ کہیو مجھے ہے غم جانگداز

تاریخِ کتابت معلوم نہیں۔ اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے اوائل کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔

(۴۰)

دیوانِ رند

مصنف:　رند دہلوی

اوراق: ۱۰۲　مسطر: ۱۳ سطری　سائز: ۹X۶ انچ

خط: نستعلیق شکستہ آمیز　مرقومہ: ۱۲۰۹ھ/۱۷۸۹ء

میر حمزہ علی متخلص بہ رند۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ عہد محمد شاہ میں دہلی سے[۳۸] بنگال منتقل ہوگئے۔ مرشد آباد میں قیام کیا (بحوالہ تذکرۂ شعرائے اردو از میر حسن)۔ زیرِ نظر مخطوطہ کا سرِ دیوان مطلع یہ ہے:

جز شکر قلم صفحہ پہ خلاقِ جہاں کا
چاہے جو کرے وصف منھ کب یہ زباں کا
پہنچے ہے خیال اس کے کوئی وصف تک اپنا
وھاں دخل فرشہ کو نہیں وہم و گماں کا

آخری چار اوراق (۹۸ب تا ۱۰۲) رباعیات پر مشتمل ہیں۔

کاتب کا نام معلوم نہیں۔ شکستہ آمیز نستعلیق میں کسی فرمائش پر (نام پڑھا نہیں جاتا) کتابت ہوئی۔ جو ۲۰/صفر ۱۲۰۶ھ/۱۷۸۹ء کو تکمیل کو پہنچی۔

(۴۱)

دیوانِ واقف

مصنف: واقف دہلوی

اوراق: ۱۰۲ مسطر: ۱۱سطری سائز: ۱۰X۱/۲-۶-۱/۲ انچ

خط: حسین نستعلیق مرقومہ: ۱۲۰۲ھ/۱۷۸۲ء

شاہ واقف المتخلص بہ واقف۔ دہلی کے رہنے والے درویش منش اور بلند پایہ صوفی تھے۔ بڑے عالم و فاضل شخص تھے۔ منقبت گوئی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ ساتھ ہی اعلیٰ درجہ کے غزل گو بھی تھے۔ فیض آباد[۳۹] جا کر بس گئے تھے۔ عہد نواب شجاع الدولہ میں نقش نویسی کی تہمت میں ناحق گرفتار ہوئے تھے۔

زیرِ نظر مخطوطہ کے آخر میں درج ایک نظم ''فتح نامہ'' سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کلام کی ترتیب اس طرح ہے:

غزلیات، رباعیات (۹)، مخمس (۳)، مسدس (۱)، واسوخت (۱)، اور فتح نامہ۔ صفحہ ۱۰۲ خالی ہے۔

مطلع دیوان:

ہر ذرہ ہے آئینہ تری جلوہ گری کا ہے جرم تو اپنی ہی پریشاں نظری کا

نسخہ ہذا مطلا و مذہب نسخہ ہے۔ عنوانات و جدولیں شنگرف و زبرجد رنگوں سے مزین کی گئی ہیں۔ بے حد خوش خط نستعلیق میں سرب سکھ رائے نے ۲۰/شوال ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۷۸۲ء کو کتاب تکمیل کی۔ ترقیمہ بھی منقش و مطلا ہے۔

(۴۲)

دیوانِ مخلص

مصنف: مخلص مرشد آبادی

اوراق: ۶۵ مسطر: ۱۳سطری سائز: ۹x۱/۲-۵-۱/۲ انچ

خط: نستعلیق شکستہ آمیز مرقومہ: ۱۲۱۶ھ/۱۷۹۶ء

مخلص علی خاں المعروف بہ میر باقر مرشد آبادی۔ نواب نوازش محمد خان شہامت جنگ کے ہمشیرہ زادہ تھے۔ عیش و کامرانی سے بسر کرتے تھے۔ ۱۲۰۷ھ/۱۷۸۷ء میں وفات پائی۔

موجودہ دیوان میں تمام اصنافِ سخن (حمد و نعت و منقبت و غزلیات، مخمسات وغیرہ) پر حاوی ہے۔

نعت کے اس مطلع سے دیوان کا آغاز ہوتا ہے:

نعت کرنے کی زبان کو مرے قدرت ہے کہاں
جس کا ہے مداح و عاشق ہے خالق کون و مکاں

اس کے بعد حضرت امام حسینؓ کی منقبت ہے:

جو کی فلک نے ہے یہ مجھ سیتے جفا کاری
بیان کرنے کا اس کے زباں کو نہیں یاری

ورق ۴ب تا ۱۶ب دیوانِ غزلیات ہے۔ مطلع دیوان ہے:

ز بسم ابرو ہے رُخ عضوان کا
حسنِ معنی کیوں نہ مفتوں ہو مرے دیوان کا

ورق ۶۲ پر مخمس شروع ہو کر ورق ۶۵ پر ختم ہوتا ہے:

کاٹے تھے اس امید پہ دن اور برس تمام
ہم کو ملے گا وقت شہادت کے جس تمام

خطِ نستعلیق شکستہ آمیز میں معین الدین طالب علم بھاگل پور نے ۱۵/ذالحجہ ۱۲۱۶ھ/۱۷۹۶ء کو کتابت ختم کی۔

(۴۳)

دیوانِ انشا

مصنف: انشا، میر انشاء اللہ خاں

اوراق: ۱۰۸ مسطر: ۱۵ سطری سائز: ۳/۴-۸X۱۶ انچ

خط: نستعلیق شکستہ آمیز مرقومہ: تاریخ نامعلوم (غالباً انیسویں صدی)

مخطوطہ میں انشاء کی تقریباً تمام غزلیات شامل ہیں، علاوہ ازیں مثنوی سحرِ ہلال (اوراق

۹۲-۹۳)، (جو اہلی شیرازی کی فارسی مثنوی کے جواب میں لکھی گئی ہے)، ساقی نامہ (اوراق ۹۳-۹۴)، ۲ قطعات تاریخِ وفات، ایک قصیدہ حضرت علیؑ کی منقبت میں (ورق ۹۵)، قصیدہ حمد (اوراق ۹۵-۹۶)، ایک قصیدہ چہار صفر در جناب حضرات دوازدہ امام علیہم السلام، ایک اور قصیدہ بغیر عنوان، ایک قصیدہ وزیر الممالک نواب آصف الدولہ کی مدح میں، ایک قصیدہ در مدح سالگرہ سلیمان شکوہ۔

آغاز:

صنما برب کریم ہاں تیرے ہیں ہر ایک مبتلا
کہ الست بربکم تو ابھی کہے تو کہیں بلا

غزلیات ردیف وار درج ہیں جو ورق ۹۱ب پر ختم ہوتی ہیں۔ مثنوی سحرِ ہلال ورق ۹۲/ا پر اس طرح شروع ہوتی ہے:

حضرت حق ہی سے یہ ملحق ہے عشق　　　مرشد کامل غرض الحق ہے عشق

کاتب کا نام اور سنِ کتابت درج نہیں ہے۔

(۴۴)

دیوانِ مجرمؔ

مصنف:　مجرمؔ، شیخ رحمت اللہ اکبر آبادی

اوراق: ۱۰۲　مسطر: ۱۵ سطری　سائز: ۹x۱۵ انچ

خط:　معمولی نستعلیق　مرقومہ: تاریخ نامعلوم (غالباً اوائل انیسویں صدی)

شیخ رحمت اللہ مجرمؔ اکبر آبادی۔ میر محمدی بیدارؔ کے شاگرد تھے۔ مخطوطہ غزلیات، رباعیات، قطعات، مخمس، ترجیع بند اور ایک ساقی نامہ پر مشتمل ہے[۱]۔ شروع کے اوراق پر حضرت علیؑ کی منقبت درج ہے:

تم ہو خدا کے واقفِ اسرار یا علی　　　تم مصطفیٰ کے نائب و مختار یا علی

غزلیات ورق ۴ب پر اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

ہے فقط روشن نہ چہرہ اس سے مہر و ماہ کا　　　جلوہ گریاں نور ہر ذرہ میں ہے اللہ کا

(۴۵)

دیوانِ بقا

مصنف: شیخ محمد بقاء اللہ بقا

اوراق: ۲۸ مسطر: ۱۵سطری سائز: ۹x۶ انچ

خط: خوش خط نستعلیق مرقومہ: تاریخ نامعلوم (غالباً اوائل انیسویں صدی)

شیخ محمد بقاء اللہ تخلص بقا تھا۔ فرزند حافظ لطف اللہ خوشنویس۔ وطن مالوف اکبر آباد۔ لکھنؤ میں نشو ونما پائی۔ مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ کچھ عرصہ دہلی میں بھی قیام کیا۔ ابتداء میں غمین تخلص کرتے تھے۔ شاہ حاتم کی ہدایت پر بقا تخلص اختیار کیا۔ قصیدہ گوئی میں طولیٰ حاصل تھا۔ میر و میرزا سے معرکے رہے۔ آخر عمر میں سودائی ہو گئے تھے۔ آخر نجف اشرف کے سفر میں ۱۲۰۶ھ/۱۷۸۷ء عالم بقا سے رہگزار ے عالمِ قضا ہوئے[۴۲]۔

پیشِ نظر مخطوطہ صرف غزلیات پر مشتمل ہے۔ (تقریباً ۱۴۰۰ اشعار)

آغاز:

قلم صفت میں پس از مراتب بدن ثناء میں تری کھپایا
بدن زباں میں زباں سخن میں سخن ثنا میں تری کھپایا

عنوانات مرصع۔ جدول، شنگرفی وز برجد۔ ہر جگہ تخلص بھی شنگرفی روشنائی سے لکھا ہے:

یار کو بھیجی خبر نالۂ تنہائی کی
مدعی کون کھڑا تھا پسِ دیوار لگا
پاتے ہیں میکدے میں بقا سوزِ فیض ہے
خم سے سبو، سبو سے قدح اور قدح سے ہم
وہ صورتیں جو پیشِ نظر تھیں سو مثلِ اشک
یوں گم ہوئیں زمیں میں کہ ڈھونڈے نہ پائیاں
آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں
اس کا میں دیکھنے والا بقا واہ رے میں
اس بزم میں مت پوچھو نہ کوئی مجھ سے کہ کیا ہوں
جو شیشہ گرے سنگ پہ میں اس کی صدا ہوں

دیوانِ آبرو

مصنف: آبرو، شاہ مبارک

اوراق: ۹۸ مسطر: ۱۵سطری سائز: ۱/۴-۹X۳/۴-۱۴ انچ

خط: نستعلیق شکستہ آمیز مرقومہ: ۱۱۸۸ھ/۱۵جلوسِ میمنت شاہ رکن عالم؛ بادشاہ غازی[۴۳]

آبرو کا اصل نام شیخ نجم الدین تھا۔ لیکن شاہ مبارک کے نام سے مشہور ہیں۔ گوالیار کے رہنے والے تھے، جوانی العمری میں دہلی آئے۔ کچھ عرصہ بعد نارنول میں بھی قیام کیا (گروتری)۔ شعر گوئی میں خان آرزو کے شاگرد تھے۔ طبیعت میں شوخی و رنگین مزاجی تھی۔ آخر عمر میں درویش منش ہوگئے تھے۔ عہدِ محمد شاہ میں ۱۱۴۶ھ/۱۷۳۴ء میں دہلی میں انتقال ہوا۔ اردو شعراء کا کوئی اہم تذکرہ ان کے ذکر سے خالی نہیں۔ چوٹی کے ایہام گو شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

پیشِ نظر دیوان فورٹ ولیم کالج سے ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں منتقل ہوا ہے۔ سرِ ورق پر فورٹ ولیم کالج کی سرکاری مہر (ہندی، بنگالی، اردو) ثبت ہے[۴۴]۔

ورق۲ الف سے ۶۰ ب تک غزلیات درج ہیں۔ سرِ دیوان مطلع ہے:

آیا ہے صبح نیند سوں اُٹھ رسمسا ہوا
جاما گلے میں رات کے پھولوں بسا ہوا

ورق ۶۱ الف سے مستزاد شروع ہوتے ہیں جو ورق ۶۲ ب پر ختم ہوتے ہیں۔ مستزاد کی تعداد دس (۱۰) ہے۔ غلط املا کی وجہ سے صحیح پڑھے نہیں جاتے:

آنکھوں نے تیری دلکوں مرے قتل کرا ہے	بانکی	نظراں	سے
عاشق کو کہو رنگ نہ ہو زرد سو کیوں	اس	طور کو	دیکھے
لاگی تھی برہ آگ کلیجہ میں اچانک	سُن	بات	ہماری
ہوتا نہیں بے درد مگر اب			معشوق
کیوں پھولتا ہے حُسن پہ اے..... چنچل	اے	نازک	کمر
مانگوں ہوں دعا ملنے کو تیری	اے.....................		
مت عاشقِ بے کس کو ستانا	مان	کہا	میرا

جپتا ہوں دنوں رات خدا کو کر فکر مقرر
جلایا دلکوں عاشق نے کمر سے لگا دھڑکے کی ٹٹی
چلتا ہے عجب چال پیارا لی تال سنوارا

ورق ۶۳ ا تا ۶۵ ا دو ترجیع بند درج ہیں۔

وہی جان مجھ دلکا آرام ہے کہ جس شوخ کا بیوفا نام ہے

اس کے بعد دو اشعار کا ایک قطعہ ہے:

میں نے چاہا ترے عشق میں ہو کر مجنوں
چھوڑ بستی کی تیئں جا کے بساؤں ہاموں
مجھ کو یاروں نے جو دیکھا کہ ہوا اس کو جنوں
لیکن زنداں میں کیا قید میں کیسے کہوں

ورق ۶۵ ب تا ۷۲ ب، مخمس ہیں۔ ورق ۷۵ ا تا ۷۶ ب سترہ (۱۷) رباعیاں ہیں اور ورق ۷۵ ا سے ۷۶ ب، ۲۹ فردیات درج ہیں:

یہاں پہنچ کر دیوان بظاہر اس ترقیمہ پر ختم ہو جاتا ہے:

''دیوانِ آبرو تاریخ بیست و دویم ذی الحجہ ۱۵ سہری تحریر یافت''۔

لیکن ورق ۷۷ ا سے ۹۲ ا تک ایک مثنوی درج ہے جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

ہے سزا وارِ ثنا وہ باکمال جلوہ گر جس نے کیا حُسن اور جمال

ورق ۹۲ ب تا ۹۷ ب ایک مرثیہ درج ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

افسوس ہے کہ آج رسولِ خدا کے تیئں حضرت امام سیدِ ہر دوسرا کے تیئں

سب سے آخر میں دو پہیلیاں درج کی گئی ہیں۔ جن کے بعد دوسرا ترقیمہ ہے:

''تمت بالخیر بعون الملک الوہاب بتاریخ بیست ہفد ہم شہر ذی الحجہ روز
جمعہ بوقت سہری جلوس میمنت شاہ عالم بادشاہ غازی''

نامعلوم کاتب بہت کم پڑھا لکھا معلوم ہوتا ہے۔ پورا دیوان املا کی اغلاط سے پُر ہے اور مستند نہیں کہا جا سکتا۔

دیوانِ سودا

مصنف: سودا، مرزا محمد رفیع

اوراق: ۱۷۴ مسطر: ۱۳ سطری سائز: ندارد

خط: معمولی نستعلیق مرقومہ: ۱۷۷۰ء، ۱۷ جلوسِ شاہ عالم بادشاہ

مرزا محمد رفیع سودا۔ مرزا محمد شفیع کے بیٹے اور نعمت خان عالی کے نواسے تھے۔ ان کے والد بسلسلۂ تجارت کابل سے دہلی آئے۔ بارھویں صدی ہجری کی پہلی دہائی میں بمقام دہلی پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ شاعری کی ابتداء فارسی کلام سے کی۔ مرزا محمد خاں عرف سلیمان علی خاں وداد کے شاگرد ہوئے۔ پھر اردو کی طرف مائل ہوئے اور بقول آزاد، خان آرزو کے مشورے سے اردو میں شعر کہنا شروع کیا، اور شاہ حاتم کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ اواخر عہدِ محمد شاہ میں سودا کی شاعری نے فروغ پایا۔ ملک الشعرائی کے اعزاز تک پہونچے۔ دہلی سے ۱۱۶۷ھ میں فرخ آباد گئے۔ وہاں ۱۷ سال گزار کر فیض آباد پہنچے۔ آصف الدولہ کے ساتھ لکھنؤ آئے اور پھر وہیں کے ہو رہے۔ ۴؍رجب ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۸ء کو وفات پائی۔ ۹۰ سال سے کچھ کم عمر تھی۔

''دیوانِ سودا'' کا پیشِ نظر مخطوطہ اچانک ایک قصیدہ کے ان اشعار سے شروع ہوتا ہے:

برنگِ کوہ رہ خاموش حرفِ نا سزا سُن کر
کہ... بد کو صدائے عیب سے کھینچے ہے ہشیاری
یہ روشن ہے برنگِ شمع ربط یاد دانش سے
موافق گر نہ ہووے دوست وہ ہے دشمنِ جانی

پھر ورق ۵۷ ب سے غزلیات کا آغاز ہوتا ہے:

مقدور نہیں اسکی تجلّی کے بیاں کا جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا

ورق ۱۳۱ ا کے حاشیہ سے مثنویات شروع ہوتی ہے۔

یوں سنا ہے کہ خسروِ یک عصر ایک درویش کے گیا تھا گھر

ورق ۱۷۱ ب تک مخمس، ابیات وغیرہ درج ہیں اور ۳ ورق رباعیات پر مشتمل ہیں۔ کاتب کا نام پڑھا نہیں جاتا۔ کتابت ۲۵؍رجب ۱۷۷۰ء/۱۷ جلوسِ شاہ عالم بادشاہ اختتام کو پہنچی۔

دیوانِ افسوسؔ

مصنف: افسوسؔ، میر شیر علی

اوراق: ۲۶۸ مسطر: ۱۳سطری سائز: ۱/۲X۱۱۔۱/۷انچ

خط: صاف نستعلیق مرقومہ: تاریخ اندارد (غالباً ۱۸۰۰ءتا۱۸۰۴ء)

میر شیر علی افسوسؔ[۴۵] فرزند میر مظفر خاں۔ نسب حضرت امام جعفر صادقؑ تک پہنچتا ہے۔ میر مظفر خاں نارنول (صوبہ آگرہ) کے رہنے والے تھے۔ نواب عمدۃ الملک کے متوسل ہونے کی وجہ سے دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ شیر علی دہلی میں پیدا ہوئے بعمر گیارہ سال اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ گئے۔ بچپنے ہی سے شعر گوئی کا شوق ہوا۔ میر حیدر علی حیرانؔ دہلوی کو کلام دکھایا۔ مصحفیؔ کے بیان کے مطابق چندے میر سوزؔ سے بھی استفادہ کیا۔ علی لطفؔ (گلشنِ ہند) نے انھیں میر حسن کا شاگرد لکھا ہے۔ حالانکہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

ابتداء میں نواب سالار جنگ اور ان کے بیٹے نوازش علی خاں کے پاس گیارہ سال رہے پھر مرزا جواں بخت ولی عہد کے مصاحبوں میں داخل ہوئے۔ ولی عہد جب چلے گئے تو افسوسؔ لکھنؤ ہی میں رہے اور نواب سرفراز الدولہ صاحب حسن رضا خاں نائب نواب آصف الدولہ کے پاس چلے آئے۔ انھیں کی سفارش پر لارڈ ولزلی نے ۱۸۰۰ء میں ڈاکٹر گلکرسٹ کے ماتحت فورٹ ولیم کالج میں اردو کے سررشتۂ تصنیف و تالیف میں ملازم رکھ لیا۔ ۱۸۱۹ء میں وفات پائی۔

علاوہ دیوان کے باغِ اردو ۱۸۰۸ء (ترجمہ گلستان) اور آرائشِ محفل ۱۸۰۵ء (ماخوذ از خلاصۃ التواریخ از سجان رائے) ان سے یادگار ہیں۔

افسوسؔ نے اپنا دیوان قیامِ لکھنؤ ہی میں زیرِ سرپرستی سالار جنگ مرتب کر لیا تھا جو جملہ اصنافِ سخن پر مشتمل ہے۔

زیرِ نظر مخطوط ایک فارسی دیباچہ سے شروع ہوتا ہے جو حیدر علی بلگرامی کا قلمی ہے۔ جس میں ''آرائشِ محفل'' کا ذکر نہیں اور ''آرائش محفل'' کی تالیف سے بیشتر مرتب ہو گیا تھا۔

اس دیباچہ میں افسوسؔ کے حالات فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ دیباچہ اس طرح شروع

ہوتا ہے:

''خدائے راستائش سزاوار است کہ نظمِ دیوان موجودات نمونۂ قدرتِ کامل اوست وعطیہ قوتِ شاعرانہ نشانہائے فیض شامل.....الخ''

دیوان دو حصوں پر مشتمل ہے۔ (۱) قصائد وغیرہ (۲) غزلیات، مخمسات، رباعیات وغیرہ۔ پہلے حصے میں حمد، نعت، نواب آصف الدولہ (۱۷۷۵ء تا ۱۷۹۷ء) اور مارکوئس ویلزی گورنر جنرل (۱۷۹۸ء تا ۱۸۱۵ء)، ہنری بارلو گورنر بنگال کی مدح میں قصائد درج ہیں۔ اس کے بعد چند مراثی ہیں۔ قصائد کا حصہ ورق ۴ سے شروع ہوتا ہے:

فوجِ خزاں نے آتے ہی گلشن میں ایک بار
تاراج پل کے بیچ کیا لشکرِ بہار

دوسرا حصہ ورق ۴۰ ب سے شروع ہوتا ہے۔ سرِ دیوان مطلع ہے:

خدایا کس طرح ہو وصف مجھ سے تیری صنعت کا
کرشمہ ایک ہے یہ چرخ تیرے دستِ قردت کا

غزلیات ورق ۲۴۶ الف پر ختم ہوتی ہیں اور ورق ۲۴۶ ب سے آخری ورق تک رباعیات، مخمسات، ترکیب بند، ایک واسوخت، گیارہ قطعات ہیں۔

اشپرنگر نے شاہانِ اودھ کے کتب خانہ کی فہرست میں (نمبر ۵۹۶ پر) اپنے زیرِ نظر نسخہ پر تبصرہ کرتے ہوئے برٹش میوزیم میں موجود ایک نسخہ کی نشاندہی کی ہے۔

لیکن ہمارا نسخہ افسوسؔ کے دیوان کا اولین نسخہ معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس کے سرورق پر ہنری بارلو (گورنر بنگال) کی مہریں اندر کی طرف اور ورق ۲۶۸ پر ثبت ہیں۔ غالب یہ وہی نسخہ ہے جو افسوسؔ نے بارلو کو پیش کیا تھا۔

ورق ۲۵۶ ب تک صاف نستعلیق میں ایک ہی کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے لیکن ورق ۲۵۶ کی سطر ۱۲ سے ورق ۲۶۸ ب تک کسی دوسرے شخص نے لکھا ہے۔ کتابت کی تاریخ درج نہیں لیکن قیاساً ۱۸۰۰ء اور ۱۸۰۴ء کے دوران کتابت ہوئی ہوگی۔ تخلص اور عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں۔ پہلی اشاعت کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔

(۴۹)

دیوانِ افسوس

مصنف: افسوس، میر شیر علی

اوراق: ۲۲۴ مسطر: ۱۳ تا ۱۵ سطری سائز: ۳/۴-۱۲X۳/۴-۷ انچ

خط: صاف نستعلیق مرقومہ: یکم جولائی ۱۸۷۱ء

دیوانِ افسوس نشان نمبر ۴۸ کی بجسنہٖ نقل ہے۔ بجز اس کے کہ عنوانات حذف کر دیے گئے ہیں اور تخلص سرخ روشنائی سے لکھا ہے۔

کاتب کا نام محمد حسن خاں بن چاند خاں جو حاجی پور پٹنہ کا باشندہ ہے۔ اور بمقام مہدی باغ کلکتہ یکم جولائی ۱۸۷۱ء کو کتابت مکمل ہوئی۔

(۵۰)

دیوانِ ولا

مصنف: مظہر علی خاں ولا

اوراق: ۲۰۶ مسطر: ۱۵ سطری سائز: ۱۸X۱۱ انچ

خط: معمولی نستعلیق مرقومہ: ۱۸۱۰ء

ولا کا اصلی نام مرزا لطف علی[۲۶] تھا لیکن دنیائے ادب میں مظہر علی خاں کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد سلمان علی خاں وداد فارسی کے مشہور شاعر تھے۔ دادا محمد حسین المخاطب بہ علی قلی خاں۔ شرفائے دہلی میں شمار ہوتے تھے۔ ولا دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں پروان چڑھے۔

ابتداء میں مرزا جان طپش کو کلام دکھایا۔ چندے مصحفی سے بھی استفادہ کیا۔ پھر میر نظام الدین ممنون کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوئے۔

ولا کے مفصل حالات کے لیے مخطوطہ جہانگیر شاہی (نشان ۲۱) ملاحظہ ہو۔

دیوانِ ولا کا زیرِ نظر نسخہ خود ولا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جو انھوں نے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ کو ۱۸۱۰ء میں نذر کیا تھا۔

دیوان کے دیباچہ میں ولا نے اس کی ترتیب کی مختصر تاریخ لکھی ہے۔ ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش

پر اسے ۱۸۰۳ء میں مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ اس سال مسٹر ہیرنگٹن کی سفارش پر فورٹ ولیم کالج میں ان کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ چند وجوہ کی بنا پر ترتیب دیوان معرض التوا میں پڑگئی حتیٰ کہ جیمس مونٹ کے جاں نشین کپتان ٹیلر کے عہد میں بروز بدھ ۷/ اگست ۱۸۱۰ء مطابق ۵/ رجب ۱۲۲۵ھ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور ممبران کونسل کی وساطت سے لارڈ منٹو گورنر جنرل کے نام سے معنون کیا۔

دیوان، مرزا کاظم علی جواںؔ کے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ سے شروع ہوتا ہے جس میں جواںؔ نے ولاؔ کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ ڈاکٹر اشپرنگر (فہرست کتب خانہ شاہانِ اودھ صفحہ نمبر ۶۱۴) نے غلطی سے اس مقدمہ کو ولاؔ کی خودنوشت کہا ہے۔

دیباچہ کے اختتام پر کاظم علی جواںؔ نے ولاؔ کے والد سلیمان علی خان ودادؔ کے اشعار بھی تبرکاً درج کر دیے ہیں۔ اس کے بعد ولا کا مذکورہ بالا دیباچہ ہے۔ اصل دیوان ورق ۱۸ سے شروع ہوتا ہے۔

ترتیبِ دیوان:

(۱) حمد و نعت و منقبت، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حسنین علیہم السلام اور دیگر ائمہ و معصومین کی منقبت میں الگ الگ قصائد ہیں۔ ساتھ ہی ولاؔ نے اپنے مربیوں کی مدح میں بھی چند قصیدے لکھے ہیں، جو ورق ۶۹ ا پر ختم ہوتے ہیں۔

(۲) ورق ۷۱ سے ۸۷ اب تک غزلیات ہیں۔ سرِ دیوان مطلع حسنِ و مطلع ہے:

اے دل تو صدا شکر کر اللہ صمد کا
الحق وہی مالک ہے ازل اور ابد کا
کہتے ہیں کہ اے خلق ہے جو آئینہ خانہ
روشن ہے یہ کثرت سے کہ جلوہ ہے احد کا

(۳) مخمسات، رباعیات، فردیات (فارسی و اردو)

(۴) قطعات، در مدح، مربیان (ہندوستانی و یورپین) جو ورق ۱۸۱ ب سے شروع ہو کر ۲۰۶ پر اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ البتہ ۱۸۲ ب اور ۱۸۳ پر ولاؔ کے غسلِ صحت کی تہنیت میں مرزا جان طپشؔ اور مرزا کاظم علی جواںؔ کے دو تاریخی قطعات درج ہیں۔ طپشؔ کا قطعہ تاریخ نو اشعار پر مشتمل ہے:

بحمد اللہ اپنا قدیمی حبیب ۔۔۔ تفاخر کریں جس پہ مجدد علا

مخاطب بمظہر علی خاں ہے جو سخن میں تخلص ہے جس کا وؔلا

....

.... وؔلا کو مبارک ہو غسلِ شفا

۱۲۲۳ھ

مرزا کاظم علی جوان کا قطعہ تاریخ ۱۵ اشعار پر مشتمل ہے:

جو مظہر علی خاں نے پائی شفا مسیحا سے کم تھا نہ اس کا طبیب

....

.... ہوئی ہے یہ اب شکر صحت نصیب

۱۲۲۳ھ

(۵۱)

دیوانِ محبتؔ

مصنف: محبتؔ، نواب محبت خاں

اوراق: ۱۴۹ مسطر: ۱۳ سطری سائز: ۱/۲-۱۰X۱/۴-۱/۴-۶ انچ

خط: اوسط نستعلیق مرقومہ: تاریخِ کتابت نامعلوم غالباً اوائل انیسویں صدی عیسوی

نواب محبت خاں المتخلص محبتؔ[۲۷] خلف حافظ الملک حافظ رحمت خاں۔ بعدِ شکست حافظ رحمت خاں لکھنؤ میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ آصف الدولہ کے وظیفہ یاب تھے۔ ریختہ میں مرزا جعفر علی حسرتؔ کے تلامذہ میں سے تھے۔ میر حسن نے خواجہ حسن سے اصلاح لینے کا بھی ذکر کیا ہے۔ فارسی شعر بھی کہتے تھے اور مکینؔ کے شاگرد تھے۔

جرأتؔ کے ایک قطعہ تاریخ کے مطابق ۱۲۲۲ھ/ ۱۸۰۷ء میں انتقال ہوا۔ ممتاز الدولہ مسٹر جان سن کی فرمائش پر قصہ ''سسی پنوں'' نظم کیا اور ''اسرارِ محبت'' نام رکھا۔

زیرِ نظر مخطوطہ غزلیات (ورق ۱۵۵ تا ۱۲۷)، ۴۰ رباعیات (ورق ۱۱۱ تا ۱۱۵)، ۱۳ مخمس ورق ۱۱۵ تا ۱۲۷) اور مثنوی اسرارِ محبت (ورق ۱۲۸ اب سے ۱۴۷ اب تک)

آغاز غزلیات:

ہوتا ہے ابھی حاصل سب کام محبتؔ کا دے اس کو خداوندا تو جام محبت کا

مثنوی ''اسرارِ محبت''، ۱۱۹۷ھ/۸۲-۱۷۸۱ء کی تصنیف ہے جو آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے:

کہی تاریخ یہ اسکی بصنعت عجب قصہ ہے اسرارِ محبت

۱۲۲۳ھ

کاتب اور سنِ کتابت نامعلوم۔ غالباً اوائل انیسویں صدی۔

(۵۲)

دیوانِ یقینؔ

مصنف: یقینؔ، انعام اللہ خاں

اوراق: ۴۴ مسطر: ۱۳ سطری سائز: ۹x۱۶ انچ

خط: خوش خط نستعلیق مرقومہ: تاریخِ کتابت نامعلوم۔ غالباً اٹھارویں صدی عیسوی

انعام اللہ خاں یقینؔ دہلوی[۴۸] خلف اظہر الدین خاں بہادر مبارک جنگ، مظہر جانِ جاناں کے شاگرد۔ احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں اپنے والد کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

پیشِ نظر مخطوطہ ۱۲۲ غزلیات (۱۵۲۷ اشعار پر مشتمل ہے)۔ غزلیات کی ترتیب ردیف وار اور حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہے۔ اس شعر پر دیوان ختم ہوتا ہے:

وہ بلبل کیونکہ ہوئے خلاوخس سے مختلف جس کا نسیمِ گل سے مارے نازکی کے آشیاں لرزے

بہت خوش خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ لوح رنگین ہے۔ قرائن سے قدیم نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ کاتب کا نام اور سنِ کتابت نامعلوم۔ اٹھارویں صدی عیسوی کا مرقومہ معلوم ہوتا ہے۔ انجمن ترقی اودو دہلی سے سن ۱۹۴۲ء میں مرزا فرحت اللہ بیگ کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہو کا ہے۔

(۵۳)

دیوانِ قدرتؔ

مصنف: قدرتؔ، شاہ قدرت اللہ دہلوی

اوراق: ۱۲ مسطر: ۱۵ سطری سائز: ۳/۴-۸x۱۲ انچ

خط: خوش خط نستعلیق مرقومہ: تاریخِ کتابت نامعلوم غالباً اٹھارویں صدی عیسوی

شاہ قدرت اللہ، قدرتؔ[۴۹] دہلی کے رہنے والے شاہ عبدالعزیز شکر یارؒ کی اولاد میں تھے۔

اپنے چچا شمس الدین فقیر سے تلمذ تھا۔ مرزا مظہر جانِ جاناں سے بھی مشورہ سخن کیا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ فارسی میں بیدلؔ کا طرز اختیار کیا تھا۔ اپنے عہد کے ممتاز شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ دہلی سے عظیم آباد ہوتے ہوئے مرشد آباد پہنچے اور وہیں غالباً ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء میں وفات پائی۔ پیشِ نظر مخطوطہ ۷۷ غزلیات (۱۳۰۸اشعار) پر مشتمل ہے:

جز نقش پا جہاں کے یہ مجبور رہ گیا — طاقت بھی ہاتسے گئی معذور رہ گیا
پورے گرچہ زخم ہرے ہو چلے ولے — ناسور تھا جگر میں سو ناسور رہ گیا

خط نہایت پاکیزہ نستعلیق (کاتب وہی ہے جس نے دیوانِ یقین (نمبر۵۲) کی کتابت کی ہے)۔ منقش لوح۔ شنگرفی حاشئے۔ کاتب و سن کتابت نامعلوم (غالباً اٹھارویں صدی عیسوی کا مرقومہ ہے)۔

(۵۴)

دیوانِ ناجیؔ

مصنف: ناجیؔ، میر محمد شاکر، دہلوی

اوراق: ۸۹ مسطر: ۱۴سطری سائز: ۱/۴-۸x۵انچ

خط: شکستہ آمیز مرقومہ: کاتب وسنہ کتابت نامعلوم غالباً اواخر اٹھارویں صدی عیسوی

میر محمد شاکر ناجیؔ[۵] شاہ جہان آباد کے رہنے والے۔ نجم الدین آرزوؔ کے عم عصر ایہام گو شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ خوش طبعی اور ظرافت سے خاص لگاؤ تھا۔ ہزل اور ہجو گوئی میں مشہور تھے۔ مرد سپاہی پیشہ تھے۔ عہدِ محمد شاہی میں شہرت پائی۔

آغاز:

دیکھو ذرہ سی شبنم اور ہے یک قطرہ آب اسکا — رسائی مہر کی ہے مشتری ہو آفتاب اسکا

ترتیب: غزلیات (ورق ۸۵ تک)
مخمس (۱) (ورق ۸۵تا۸۷ ا)
رباعیات ۲۵ (ورق ۸۷ب تا۸۹)

ورق ۹ ب پر ۳ تین مہریں ثبت ہیں جو مسخ شدہ ہیں۔ ساتھ ہی ایک ملگجی تحریر بھی ہے۔ جس پر ۱۲۱۹ھ/ـــــ درج ہے۔

اشپرنگر نے اسے ایک غلطیوں س پُر نسخہ کہا ہے۔
اس دیوان اور مخطوطہ نمبر ۴۶ کا کاتب ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ خط شکستہ آمیز مرقومہ اواخر اٹھارویں صدی۔

(۵۵)

دیوانِ احسن

مصنف: مرزا احسن علی

خط: خوش خط نستعلیق مرقومہ: ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء

مرزا احسن علی (جنھیں ''مجموعہ نغز'' میں مرزا احسن قلی لکھا ہے)۔ پہلے میر رضا کے شاگرد ہوئے اور بعد میں سودا سے مشورہ سخن کیا۔ نواب شجاع الدولہ کے دربار سے وابستہ رہے۔ چندے سرفراز الدولہ کے متوسل بھی رہے[۵۱]۔

دیوان جمیع اصناف سخن پر حاوی ہے۔

غزلیات (ورق ۱تا ۱۸۷)، قصائد وغیرہ (ورق ۱۸۰ تا آخر)

آغازِ غزلیات:

اک وصف بیاں ہو نہ خداوند جہاں کا — جو ہر ہوں مالک میں اگر لاکھ زباں کا
ہے فرش سے عرش وجود اس کے سے موجود — اور ہے وہی بخشندہ تنِ مردہ میں جاں کا

آغازِ قصائد:

فلک رُتبہ نوّاب عالی جناب — کہ ہے آصف الدولہ اس کا خطاب

غزلیات کے آغاز (صفحہ نمبر ۲) اور قصائد کا آغاز (ورق ۱۸۰ب) رنگین الواح سے مزیّن ہیں۔ اوراق ۱۷۸ تا ۱۸۰ خالی چھوڑ دیے گئے ہیں۔ شنگرفی رنگ کی ہر صفحہ پر جدول کھینچی ہوئی ہے۔

خوش خط نستعلیق میں مصنف کے خود نوشت نسخہ سے قمر الدین خاں قمرؔ عرف مرزا حاجی بمقام لکھنؤ ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء نقل کیا گیا ہے۔

دیوانِ جہاں

مصنف: جہاںؔ، بینی نرائن

اوراق: ۱۲۵ مسطر: ۱۸۔۲۳ سطری سائز: ۳/۴۔۱۳x۱۹ انچ

خط: معمولی نستعلیق مرقومہ: ۱۸۱۸ء

بینی نرائن جہاںؔ[۵۴]۔ مہاراجہ لکشمی رئیس لاہور کے صاحبزادے تھے۔ بڑے بھائی رائے کھیم نرائن بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ رندؔ تخلص کرتے تھے۔ جہاںؔ لاہور میں پیدا ہوئے وہیں تربیت پائی۔ والدین کے انتقال کے بعد گردشِ زمانہ سے لاہور چھوڑنا پڑا۔ ہندوستان کے مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ مؤرخین ادب نے لکھا ہے کہ بارہ سال کلکتہ میں بے روزگار رہے۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفین سے اس دوران میں ربط ضبط بڑھ گیا۔ حیدر بخش حیدری کی وساطت سے کالج کی ملازمت میں منسلک ہوئے۔ کالج کے سیکرٹری کپتان ٹامس رویک کی فرمائش پر اردو میں اپنی تصنیف تذکرہ ''دیوانِ جہاں'' کے نام سے ۱۸۱۲ء میں تالیف کرنا شروع کیا، جس کا ذکر جہاںؔ نے اپنی تصنیف ''چار گلشن'' کے دیباچہ میں کیا ہے۔ لہٰذا اندازاً ۱۸۰۱ء میں وہ کلکتہ پہنچ چکے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ آخر عمر میں مسلمان ہوگئے تھے اور مولوی سید احمد بریلویؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

سیر المصنفین (تنہاؔ) اور اربابِ نثر اردو (سید محمد) نے صرف ان کی تین کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ یعنی (۱) چار گلشن (۲) دیوانِ جہاں (۳) تنبیہ الغافلین (شاہ رفیع الدین دہلوی کی فارسی کتاب) کا ترجمہ۔ مرتب کو جہاںؔ کی دو اور کتابیں دریافت ہوئیں یعنی (۴) قصہ دلارام و دلربا مخطوطہ نمبر ۱۱۳ اور (۵) گلزارِ عشق (ترجمہ یوسف زلیخا) مخزونہ کتب خانہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ۔

پیشِ نظر نسخہ کی ترتیب ۳۰ ستمبر ۱۸۱۲ء کو اختتام کو پہنچی تھی۔ ۱۲۶ شعرائے اردو کا باعتبارِ حروفِ تہجی ذکر کیا گیا ہے۔ اور شاہ عالم (بادشاہ) متخلص بہ آفتابؔ سے شروع ہو کر انعام اللہ خاں یقینؔ پر ختم ہوتا ہے۔ ہر شاعر پر ایک یا دو سطر سے زیادہ نہیں لکھا گیا۔ شعراء کے حالات میں اکثر صرف نام، ولدیت، سکونت، تلمذ، تاریخ ولادت و وفات پر اکتفا کیا گیا ہے البتہ کلام کے نمونے بڑی فراخ دلی سے دیے گئے ہیں۔ سب سے زیادہ اقتباس یقینؔ کے کلام کا ہے جو ورق ۱۳۱ سے ۱۷۳

تک یعنی ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں صرف ایک غزل شامل ہے، جس کا مطلع ہے:

سرِ پرِ سلطنت سے آستانِ یار بہتر تھا   ہمیں ظلِ ہُما سے سایۂ دیوار بہتر تھا

۵۷ رباعیات، ۴۲۷ مطلعے اور ۳۹ فردیات شامل ہیں۔

آغاز (ورق ۳):

کر آغازِ سخن حمدِ خدا سے   پھر اس کے بعد نعتِ مصطفٰے سے
خدا خالق ہے ہم ہیں آفریدہ   نبی جتنے ہیں سب ہیں برگزیدہ
محمد ﷺ پر ہوئی ختم رسالت   علی ہیں مالکِ ملکِ ولایت

دیباچہ منظوم ہے، حمد و نعت میں چھ اشعار کے بعد مصنف نے اپنے حالات اور تذکرہ کی تالیف کا حال لکھا ہے۔ اور اپنے کلام کا بہت بڑا حصہ شامل کر دیا ہے۔ ورق ۴۷ اپر دعائیہ اشعار پر تذکرہ مکمل ہو جاتا ہے:

دعا | پر ختم کر بنی نرائن   کہ مستحسن سخنور کو ہے یہ فن
رہے جب تک یہ طرزِ نظم یارب   پسند اسکو کریں اہلِ جہاں سب

تذکرہ کے اختتام پر بطورِ ضمیمہ ۲۵ رجولائی ۱۸۱۲ء کو فورٹ ولیم کالج میں منعقد ایک مشاعرہ میں پڑھی گئی غزلوں کا اقتباس شاعر کے مختصر حالات کے ساتھ شامل کر دیا ہے:

(۱) مرزا کاظم علی جوانؔ۔ آپ کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ ان سے ہے:

چاہتا ہے دل کسی سے دل لگایا چاہیئے   بیٹھیئے پاس اس کے ناز اُٹھایا چاہیئے ...الخ

(۲) حیدریؔ تخلص۔ نام میر حیدر بخش۔ دلی کے رہنے والے۔ یہ اُن سے ہے:

دھن بندھی ہے لب ہی اس کے پاس جلیا چاہیئے   شرح دردو غم کسی ڈھب سے سنایا چاہیئے۔ الخ

(۳) رواںؔ تخلص۔ نام سید جعفر علی۔ لکھنؤ کے رہنے والے۔ مرزا کاظم علی جوانؔ کے شاگرد۔ یہ اُن سے ہے:

کر خرامِ ناز اب مقتل پہ آیا چاہیئے   ہو گئے ہیں قتل جواُن کو جلایا چاہیئے.....الخ

(۴) شہرتؔ تخلص۔ نام افتخار علی خاں۔ کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ اُن سے ہے

غیر کا کہنا نہ سنیئے منھ دکھایا چاہیئے   جان ہی جاتی ہے جاناں اب تو آیا چاہیئے۔ الخ

(۵) عیاںؔ تخلص۔ نام ابوالقاسم خاں۔ کلکتے میں تشریف فرما ہیں۔ یہ اُن سے ہے:

عالمِ طفلی ہی دل کو لگایا چاہیئے   چاہنے والوں کے حلقہ میں در آیا چاہیئے۔ الخ

(۶) قاسم تخلص ۔ نام ابوالقاسم خاں ۔ کلکتے میں تشریف فرما ہیں ۔ یہ اُن سے ہے:

ہاتھ کو گلدستۂ رنگیں بنایا چاہئے   ہجر میں اس گل کے گل ہاتھوں پہ کھایا چاہئے .... الخ

(۷) ممتاز تخلص ۔ نام مرزا قاسم علی ۔ مرزا کاظم علی جواں کے بڑے بیٹے ہیں ۔ یہ اُن سے ہے:

ہمدموں پھر وردِ دل اس کو سنایا چاہئے   لطف پر پہلے مزاجِ یار لایا چاہئے ... الخ

(۸) ولا تخلص ۔ نام مرزا لطف علی عرف مظہر علی خاں ۔ کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں ۔ یہ اُن سے ہے:

اے پری رو چہرہ سے برقع اٹھایا چاہئے   انس و جاں مشتاق ہیں مکھڑا دکھایا چاہئے .. الخ

گارساں دتاسی نے اپنی تاریخ ادبیاتِ ہند میں جہاں کے تذکرہ سے بھرپور استفادہ کیا ہے ۔ معمولی نستعلیق ۔ مرقومہ ۳۰ ستمبر ۱۸۱۲ء ۔ ۱۸۱۱ور ۱۲ کے ہندسے دو مختلف رنگ کی روشنائی سے لکھے گئے ہیں ۔ ۱۲ غالباً بعد میں کبھی لکھا گیا ہے ۔

اس مخطوطہ کا سنہ کتابت ۱۸۱۸ء ہے ۔ ممکن ہے مصنف کے زیرِ نگرانی نقل و کتابت کی گئی ہو ۔ ادھر اُدھر اصلاحیں بھی نظر آتی ہیں ۔ ممکن ہے مصنف کے قلم کی ہوں (خصوصاً اوراق ۳۸ ب اور ۹۵ ب پر اصلاحیں) ۔

دیوانِ جہاں کا ایک خوش خط نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کا حوالہ تمام مؤرخین نے دیا ہے ۔ پیشِ نظر مخطوطہ کا کسی کو علم نہیں ہے ۔

اب یہ کہنا مشکل ہے کہ ان دونوں مخطوطوں میں اصل مخطوطہ کون سا ہے ۔ اغلباً سوسائٹی کا مخطوطہ اصل ہے ۔

(۵۷)

دیوانِ میر سوز

مصنف: سوز، سید محمد میر

اوراق: ۱۴۰ مسطر: ۱۳ سطری سائز: ۹X۲/۱-۱۵ انچ

خط: معمولی نستعلیق مرقومہ: ۱۲/ذی الحجہ ۱۲۱۶ھ

سید محمد میر نام ۔ ابتداء میں میر تخلص کیا ۔ جب میر تقی میر کی شہرت میر کے نام سے ہوئی تو سوز تخلص کیا ۔ میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "میر تخلص جوانے است بسیار اہل خوش طبع ۔

ہر چند طرز علیحدہ دارد لیکن از خوش کردنِ تخلص من نصف ولم از خوش است'' اور محمد حسین آزاد بقول ''وہی شخص ہیں جنھیں میر تقی میرؔ نے پاؤ شاعر کہا ہے''۔

والد کا نام سید ضیا الدین۔ بزرگوں کا وطن بخارا تھا۔ محلّہ قراول پورہ دہلی میں سکونت تھی۔ حضرت قطب عالم گجراتی سے سلسلۂ نسب ملتا ہے۔۱۱۹۱ھ میں بعہدِ شاہ عالم دہلی سے ترکِ وطن کر کے لکھنؤ چلے گئے۔ چندے مرشدآباد میں قیام کیا۔ پھر لکھنؤ واپس آ گئے۔ نواب آصف الدولہ سوزؔ کے تلامذہ میں سے تھے۔

بہت خوش خط تھے۔ خط شفیعا، نستعلیق اور شکستہ میں کمال حاصل تھا۔ شہسواری و فنونِ سپہ گری میں ماہر تھے۔ تیر اندازی میں کمال حاصل تھا۔ صاحبِ طرز شاعر تھے۔ شعر خوانی میں نیا انداز اختیار کیا تھا۔ ''فسانۂ عجائب'' کے مصنف رجب علی بیگ سرورؔ بھی ان کے شاگرد تھے۔ ''گلزار ابراہیم'' میں سوزؔ کا سنہ وفات ۱۲۱۲ھ لکھا ہے۔ زیرِ نظر مخطوطہ صرف غزلیات (تقریباً دو ہزار اشعار) پر مشتمل ہے۔ غزلیات کی ترتیب باعتبار حروف تہجی ہے۔ مطلع اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

سرِ دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا	بجائے مدّ بسم اللہ مدِّ آہ میں لکھتا
خدا دیتا اگر مجھ کو زباں توحید کہنے کی	تو لا کر سب الا.........کو الا اللہ میں لکھتا

اگر ''گلزارِ ابراہیم'' میں درج شدہ تاریخِ وفات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو زیرِ نظر مخطوطہ سوزؔ کی وفات کے صرف ۴ سال بعد کا لکھا ہوا ہے۔

(۵۸)

دیوانِ کبیرؔ

مصنف: حکیم کبیر علی انصاری سنبھلی

اوراق: ۱۱۱ مسطر: ۱۱ سطری سائز: ۱/۲-۸ X ۱/۴-۱۵ انچ

خط: خوش خط نستعلیق مرقومہ: نامعلوم غالباً انیسویں صدی

حکیم کبیر علی انصاری تخلص بہ کبیرؔ۔ سنبھل (ضلع مرادآباد) کے رہنے والے شعراء کے کسی تذکرے میں ان کا ذکر نہیں۔ البتہ اشپرنگر نے اپنی فہرست مخطوطات کتب خانہ شاہانِ اودھ میں صفحہ ۲۴۶ پر ذکر کیا ہے۔

مخطوطہ حمد کے اس مطلع سے شروع ہوتا ہے:

کوئی حشمت جہاں میں اور کائی جاہ لے آیا　　　میں اپنے ساتھ ترا نام یا اللہ لے آیا

ابتدائی ۸۷ صفحات غزلوں پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد ۷ مخمس ہیں جو صفحہ ۹۸ سے شروع ہوتے ہیں۔ مخمسات کے بعد ۷ اخلاقی نظمیں درج ہیں۔ صفحہ ۱۰۶ سے ۱۰۴ پر مبارز لملک نواب محمد یار خان بہادر شجاعت جنگ کی مدح میں ایک قصیدہ دیا گیا ہے جس کا مطلع ہے:

ہوا ہوں ہاتھ سے دوراُن کے اس قدر رنجور　　　کہ بات کہنے کو باقی نہیں رہا مقدور

اس قصیدے کے بعد ایک اور قصیدہ بغیر عنوان کے درج ہے۔ اسم مدوح معلوم نہیں ہو سکا۔ درمیان میں صفحات ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۳۰، ۳۱، ۳۳ تا ۳۷ خالی چھوڑ دیے گئے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دیوان نامکمل ہے۔ حاشیوں پر متعدد جگہ اشعار درج ہیں جو مخطوطے کے کاتب ہی کے قلم کے ہیں۔ ہر جگہ تخلص سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ آخری صفحہ پر یہ جملہ درج ہے:

"پنجاہ پنج تا دور تفویض سعد اللہ کرد"

(۵۹)

دیوانِ میرؔ

مصنف:　　میر تقی میرؔ

اوراق: ۱۰۶　مسطر: ۱۱ سطری　　سائز: ۲/۱-۷ × ۴/۱-۱۴ انچ

خط: نستعلیق　　مرقومہ: غالباً اواخر انیسویں صدی

میر تقی میرؔ کی غزلیات کا مجموعہ ہے۔ آخر میں ۱۰ رباعیات بھی شامل ہیں۔ سرِ دیوان مطلع ہے:

فلک نے پیس کو سرمہ بنایا　　　نظر میں سب کی میں، تو بھی نہ آیا

۱۹۸ اوراق غزلیات پر مشتمل ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد ۱۰۰ سے اوپر ہے۔ اوراق ۹۸ ب اور ۹۹ ا۔ ب پر ۱۰ رباعیاں درج ہیں۔ ورق ۱۰۰ ا خالی ہے اور ورق ۱۰۰ ب سے آخر تک ایک مثنوی درج ہے۔ جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

جدا ایک فرقہ نے مانا ہے عشق　　　کہ نظم کل ان سب نے جانا ہے عشق

یہ ہے میرؔ وہ عشق خانہ خراب　　　کہ جی جن نے مارے ہیں یاں بے حساب

ترقیمہ غیر موجود۔ مطلع سے پتہ چلتا ہے کہ یہ میرؔ کا چھٹا دیوان ہے۔

دیوانِ آصف الدولہ

مصنف: نواب آصف الدولہ

اوراق: ۹۲ مسطر: ۲۷سطری سائز: ۱۳x۸ انچ

خط: معمولی نستعلیق مرقومہ: ابتدائی انیسویں صدی

نواب وزیر، اودھ آصف الدولہ متخلص بہ آصف کا مجموعہ کلام۔ ابتدائی ۵۱ اوراق غزلیات پر مشتمل ہیں۔ ورق ۵۲ ا سے ۶۴ ب تک مخمس ہے۔ ورق ۶۴ ب سے آخر تک مثنوی بے بات اور اُردو، فارسی کی مختلف نظمیں ہیں۔ مطلع:

کس قدر رورو کے شب کرتا تھا نذکور ترا وہی بیمار، وہی خستہ و رنجور ترا

پہلے ورق پر ہنری کی دو مہریں ثبت ہیں جن میں سے ایک مسخ شدہ ہے۔ ورق ۱ (ب) بہت خوبصورت کندہ کی ہوئی مہر ہے جس پر یہ عبارت صاف پڑھی جاتی ہے:

''اسد الدولہ عمدۃ الملک سرفراز خان ہنیری بہادر صمصام جنگ مورخہ ۱۸۰۸ء/ ۱۲۲۳ھ (گورنر بنگالہ)'' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوان انھیں تحفہ کے طور پر دیا گیا تھا۔ خوبصورت جدول۔ تخلص سرخ روشنائی سے لکھا ہے۔ آخر میں ایک سلام کا اضافہ کیا گیا ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے:

پیارے حسین سرور سلام بھیجو

حواشی

لے ارباب نثر اُردو (سید محمد) ص ۱۴۵، داستان تاریخ اُردو (حامد حسن قادری) ص ۱۲۳۔ سیر المصنفین (یحیٰی تنہا) ص ۱۸۵ میں فورٹ ولیم کالج کی تفصیلات کے تحت قرآن مجید کے اس ترجمے کا ذکر کیا ہے۔ مؤخرالذکر دو مصنفین نے ''ارباب نثر اردو'' کے بیانات کو اپنے الفاظ میں نقل کر دیا ہے۔ سید محمد صاحب کا بیان ہے ''گل کرسٹ نے جانشینوں کے ترجمہ شدہ حصوں کو بھی کالج کی طرف سے شائع کرنا پسند نہ کیا اور کالج کی مطبوعات اس سے خالی ہیں۔ حسنِ اتفاق سے مولوی امانت اللہ کے ترجمہ کو جو سورۃ فیل سے آخر قرآن مجید تک ہے، اشاعت کا موقع مل گیا اور

ممبئی کے ایک قدیم کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ دریافت ہوا...... ''یعنی سورۃ فیل (۱۰۵) سے سورۃ الناس (۱۱۴) تک کل ۱۰ سورتوں کا ترجمہ ہوا۔ ترجمہ کو نا تمام چھوڑنے کی جو داستان سید محمد صاحب نے لکھی ہے وہ صرف قیاسی ہے۔

زیرِ نظر مخطوطہ سورۂ فاتحہ سے سورۃ الناس تک پوری ۱۱۴ سورتوں کا ترجمہ ہے۔ اور تمام قیاسات کی نفی کرتا ہے۔

۲۔ سال کے اعداد کی جگہ دیمک خوردہ ہے۔

۳۔ ''مجمع سلطانی'' (فارسی) کے لیے ملاحظہ ہو:
۱۔ ایتھے، مخطوطات انڈیا آفس، ۲۵۵۱ وغیرہ
۲۔ اسٹیورٹ، فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان نمبر ۷۰، صفحہ نمبر ۱۵۲

۴۔ ''شرح غوثیہ'' فارسی کے لیے ملاحظہ ہو:
۱۔ فہرستِ مخطوطات جامع مسجد ممبئی، نمبر ۴۵۷، صفحہ ۳۶۰
۲۔ ایشیاٹک سوسائٹی، فہرست فارسی مخطوطات، نمبر ۱۷۷

۵۔ ''اخلاقِ جلالی'' کا انگریزی ترجمہ ڈبلو۔ ایف۔ ٹامس نے اوریئنٹل ٹرانسلیشن فنڈ سیریز میں ۱۸۳۹ء میں لندن سے شائع کیا۔

۶۔ ارباب نثر اُردو (سید محمد) میں مطبوعہ نسخہ کے ترقیمہ سے دوشنبہ ۲۰ / جولائی ۱۸۰۵ء نقل کیا ہے۔

۷۔ ۱۸۴۸ء میں دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ ایک ٹائپ میں، دوسرا مطبع احمدی کلکتہ سے لیتھو میں۔ تین ایڈیشن اور نکلے: ایک دہلی سے ۱۸۵۰ء میں، دوسرا کان پور سے ۱۸۷۲ء اور ۱۸۷۵ء میں۔

۸۔ مولوی عبدالحق نے ''تذکرۂ ہندی'' کے دو اور نسخوں کا ذکر کیا ہے جو کتاب خانہ خدا بخش خاں پٹنہ اور کتب خانہ رام پور میں محفوظ ہیں۔ لیکن ان دونوں نسخوں کا سنہ کتابت نہیں لکھا۔

۹۔ فوربس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۳۰ء میں لندن سے شائع ہوا۔

۱۰۔ ملاحظہ ہو تفصیلات مخطوطہ نمبر ۴۸

۱۱۔ تاریخِ پیدائش نہیں لکھی، اسپرنگر نے تاریخِ وفات بمقام بنارس ۱۸۲۳ء لکھی ہے۔

۱۲۔ مولوی سید محمد نے ''ارباب نثر اُردو'' میں غلطی سے ''قصہ مہر و ماہ'' لکھا ہے، ص ۶۲۔

۱۳۔ ملاحظہ ہو بلوم ہارٹ، فہرست مطبوعات، انڈیا آفس لائبریری، جلد ۲، حصہ ۴ اور گریرسن، ہندوستان کا لسانی جائزہ، جلد ۹۔

۱۴۔ ''سیر المتاخرین'' کا ایک اور اُردو ترجمہ ''مراۃ السلاطین'' کے نام سے ۱۸۷۴ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا تھا، جو اورنگ زیب کی وفات کے بعد سے یعنی ۱۷۳۸ء سے ۱۷۸۱ء تک مغل بادشاہوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

۱۵۔ سب سے پہلا انگریزی ترجمہ (بغیر مقدمہ) ایک فرانسیسی نومسلم مصطفیٰ نے ۳ جلدوں میں کلکتہ سے ۱۷۸۹ء میں شائع کیا تھا۔

۱۶۔ ''جہانگیر شاہی'' کا یہ واحد نسخہ ہے جو خود مترجم کا لکھا ہوا ہے اور فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ سے منتقل ہو کر ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ کی زینت ہے۔ اُردو ادب کے مورخین میں استادِ محترم مولانا سید حامد حسن قادریؒ نے ''داستانِ تاریخ اُردو'' میں اور مولوی سید محمد نے ''ارباب نثر اُردو'' میں مشہور اُردو کے فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی کے حوالے سے اس ترجمہ کی نشاندہی غلط طور پر کی ہے کہ ''تزکِ جہانگیری کے ایک حصہ کا ترجمہ مظہر علی خاں ولا نے کیا تھا۔ اس کا کوئی قلمی یا مطبوعہ نسخہ دستیاب نہیں ہوتا''۔ زیرِ نظر وہی مفقود الخبر نادر نسخہ ہے۔

۱۷۔ فارسی کتاب غالباً سب سے پہلے کلکتہ سے ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد دہلی، کانپور اور لکھنؤ کے مطابع سے لیتھو میں چھپی۔

جے۔ ایٹکنسن نے انگریزی میں ترجمہ کر کے ۱۸۳۲ء میں لندن سے شائع کی تھی۔ فارسی کتاب کے متعدد نسخے یورپ اور ہندوستان کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

شاہنامہ کا ایک اور خلاصہ منشی مولچند لکھنوی نے ''شاہنامہ مولچند'' کے نام سے اپنے قیام دہلی میں اردو نظم میں کیا تھا، جو اپنے تاریخی نام ''قصۂ خسروانِ عجم'' کے نام سے مشہور ہے اور اکبر شاہ ثانی (عہد ۱۸۳۷ء۔ ۱۸۰۶ء) کے نام معنون کیا تھا۔ یہ پہلے دہلی سے ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا پھر کلکتہ (۱۸۳۷ء۔ ۱۸۰۶ء)، کانپور (۱۸۵۳ء، ۱۸۶۹ء، ۱۸۷۰ء)، لکھنؤ (۱۸۷۰ء۔ ۱۸۷۶ء)، شاہجہان پور (۱۸۷۱ء)، میرٹھ (۱۸۷۶ء) سے۔ حوالے کے لیے ملاحظہ ہوں فہارس کتب خانہ جات انڈیا آفس، اسپرنگر، بمبئی یونیورسٹی۔

۱۸۔ حیدری کی دوسری مشہور تصانیف یہ ہیں:
(۱) توتا کہانی (۱۲۱۵ھ) (۲) آرائش محفل (۱۸۰۲ء) (۳) ماہ و پیکر (۱۸۰۰ء) اسے صاحب ''ارباب نثر اُردو'' نے ''مہر و ماہ'' لکھا ہے۔ (۴) گلِ مغفرت (گلشن شہیداں۔ ۱۲۲۷ھ) (۵) ہفت پیکر (۱۸۰۵ء) (۶) گلزار دانش (۱۸۰۴ء) (۷) گلدستۂ حیدر (۱۲۱۷ھ) (۸) تذکرۂ گلشن ہند (۱۲۱۵ھ) (۹) قصہ لیلیٰ مجنوں (۱۰) مجموعہ حکایات (۱۱) دیوان غزلیات۔

۱۹۔ بحوالہ ریو، برٹش میوزیم کیٹیلاگ، جلد ۳، ص ۹۴۷

۲۰۔ گوالیار نامہ (۱۷۹۲ء)، عبرت نامہ (تاریخ شاہ عالم۔ ۱۸۰۶ء) اور تاریخ جونپور (۱۷۹۶ء)

۲۱۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری۔ ۴ نسخے، انڈیا آفس لائبریری ۲ نسخے۔ برٹش میوزیم، ایک نسخہ، وغیرہ۔

۲۲۔ اس ترجمے کی ایک نقل کتب خانہ انڈیا آفس میں موجود ہے (ملاحظہ ہوا ی۔ آئی۔ او نمبر ۲۲۰،

ص ۹۳) جسے لاعلمی کی وجہ سے ''ارباب نثر اُردو'' میں اصل نسخہ قرار دیا گیا ہے۔ ولاؔ کے اردو ترجمے کا فرانسیسی ترجمہ وتاسی نے ۱۸۶۵ء میں پیرس سے شائع کیا تھا۔ اُردو ترجمہ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔

۲۳۔ ''روضۃ الشہدا'' کا ترجمہ سب سے پہلے ''کربل کتھا'' کے نام سے قدیم اُردو نثر میں فضل حسین فضلی نے بعہد محمد شاہ بادشاہ دہلی ۱۸۳۲ء میں کیا تھا۔ زیرِ نظر ترجمہ اس سلسلے کی دوسری کوشش ہے۔ اس کے بعد عطا اللہ خان نے ''عین البکا'' کے نام سے اردو نثر میں ترجمہ کر کے ۱۸۷۳ء میں دہلی سے شائع کیا جو ۱۵۱ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد ''عمدۃ المجالس'' کے نام سے مخدوم عالم نے منظوم ترجمہ کر کے ۱۸۷۵ء میں لکھنؤ سے شائع کیا۔ (حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو فہرست مطبوعات انڈیا آفس لائبریری، جلد ۲، ص ۲۷۰ اور فہرست مطبوعات ہندوستانی مرتبہ بلوم ہارٹ، صفحات ۶۹، ۱۲۴)۔

۲۴۔ ملاحظہ ہو بروکلمین، جلد ا، ص ۵۹۸۔ انڈیا آفس، ۴۳، ۳۴۱، ۳۴۱۔ ریو۔ ۲۶۶۔ الیٹ، تاریخِ ہند حصہ ۷، ۶۶، ۲۶۵۔ الفنسٹن، تاریخِ ہند۔ ص ۶۱۰، بانکیپور ۷۵، ۵۷۳۔ اسٹیورٹ۔ این، ۴۵، ص ۱۸۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۶۵ھ/۴۹۔۱۸۴۸ء۔

۲۵۔ بحوالہ فرانسیسی متشرق وتاسی۔ تاریخ آسام فرانسیسی ترجمہ تھیوڈور پیوی نے ۱۸۴۵ء میں پیرس سے شائع کیا تھا۔

۲۶۔ ''ارباب نثر اُردو'' میں لکھا ہے کہ ''بہادر علی کا ترجمہ (تاریخ آشام) بالکل نایاب ہے۔ اس کا کوئی نسخہ نہ مل سکا۔ یورپ کے کتب خانوں میں بھی اس کا کوئی قلمی مسودہ نہیں ہے۔ ہم ٹھیک طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ شائع بھی ہوا یا دست بردِ زمانہ سے برباد ہو گیا۔'' ''داستان تاریخ اردو'' میں لکھا ہے کہ ''حسینی کا ترجمہ ناپید ہے۔'' یحیٰ تنہا اور دوسرے مورخین ادب نے بھی ''ارباب نثر اردو'' کے بیان کو اپنے الفاظ میں دہرا دیا ہے۔ زیرِ نظر مخطوطہ اس کی بربادی کے تمام شکوک کی نفی کرتا ہے۔ اس فہرست کے مسودہ میں مرتب نے لکھا تھا کہ کلکتہ سے ۱۸۰۵ء میں شائع ہوا۔ لیکن حوالہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ بات مشکوک ہو جاتی ہے۔ اب یاد نہیں آتا کہ کس حوالہ سے یہ اشارہ قلم بند ہو گیا تھا۔

۲۷۔ اصل فارسی کتاب کے مصنف کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ طباخی پر قلمی اور مطبوعہ متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مترجم کے متعلق بھی تفصیلات کسی ذریعہ سے مہیا نہیں ہوتیں۔ بلوم ہارٹ نے فہرست مخطوطات برٹش میوزیم میں ''خوان الوان'' کے نام سے سید حمید الدین بہاری کی ایک کتاب کی مجملاً نشاندہی کی ہے اور ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما سے ترجمہ کرنے کا بھی ذکر کیا ہے جو ۱۲۴ ابواب پر مشتمل ۲۵۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اُردو میں بھی ''خوانِ نعمت'' اور ''الوانِ نعمت'' کے نام سے

انیسویں صدی عیسوی میں تقریباً نصف درجن کتابیں چھپ چکی ہیں مثلاً ''دیوانِ نعمت'' از بلاقی داس، ۳ جلد، مطبوعہ دہلی ۱۸۷۹ء، ''خوانِ نعمت''، مطبوعہ مدراس، ۱۸۶۴ء و ۱۸۷۴ء، بنگلور، ۱۸۷۴ء، و ۱۸۷۷ء، لاہور ۱۸۹۰ء (ملاحظہ ہو بلوم ہارٹ فہرست اردو مطبوعات انڈیا آفس لائبریری۔ جلد ۲، حصہ ۲، صفحات ۷، ۸؛ بلوم ہارٹ، فہرست اردو مطبوعات، برٹش میوزیم، ص ۱۷۱۔) لیکن ان مطبوعات پر سید حمید الدین کا نام درج نہیں ہے۔

۲۸۔ سورداس کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو؛
۱۔ دتاسی کی تاریخ ادب ہندی و ہندوستانی
۲۔ تاریخ ہندی ادب از کیئی (صفحہ ۴۳، ۷۴)
۳۔ مخطوطہ نمبر ۳۲

۲۹۔ خواجہ میر درؔد دہلی کے رہنے والے، خواجہ میر ناصر علی عندلیب کے فرزند ۱۱۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۹۹ھ میں وفات پائی۔ خواجہ عندلیب فارسی کے مشہور شعرائے ہند میں شمار ہوتے ہیں۔ ''نوائے عندلیب'' (دیوان) ان سے یادگار ہے۔ نقش بندی سلسلۂ صوفیاء کے بانی خواجہ بہاؤ الدین نقش بند کے اخلاف میں سے ہیں۔ خواجہ میر درد، اپنے عہد میں سلسلۂ نقش بندیہ کے سربراہ اور سلسلہ چشتیہ کے صاحبِ مسند صوفی تھے۔ کثیر التصانیف اہلِ قلم تھے۔ ان کی مشہور کتابیں یہ ہیں:
۱۔ اسرار الصلوٰۃ ۲۔ رسالۂ واردات ۳۔ علم الکتاب (مطبوعہ دہلی ۱۸۹۱ء) ۴۔ نالۂ درد (مطبوعہ ۱۸۵۰ء) ۵۔ آہِ سرد (مطبوعہ ۱۸۵۰ء) ۶۔ دردِ دل (مطبوعہ ۱۸۵۱ء) ۷۔ شمع محفل ۸۔ حرمتِ غنا ۹۔ واقعاتِ درد۔ ۱۰۔ دیوانِ فارسی (مطبوعہ دہلی ۱۸۹۲ء) ۱۱۔ دیوانِ اردو

۳۰۔ دیوانِ درد (اردو) پہلی مرتبہ ۱۸۴۷ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ ۱۴۱ صفحات پر مشتمل تھا۔ اسے اشپرنگر کی فرمائش پر مولوی امام بخش صہبائی، استاد مرحوم دہلی کالج نے مرتب کیا تھا۔ اس ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر غزل کے شروع میں بحور و اوزان مع اسماء دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد ۱۸۵۵ء، ۱۸۶۵ء اور ۱۸۷۸ء میں دہلی میں شائع ہوا۔ (ملاحظہ ہو اشپرنگر، فہرست کتب خانہ شاہِ اودھ، ص ۶۰۵، گارساں دتاسی، تاریخِ ہندی و ہندوستانی ادب، ص ۴۱۰، انڈیا آفس فہرست اردو مطبوعات، جلد ۲، حصہ ۲، ص ۱۰۴)

۳۱۔ کلیاتِ ولی مطبوعہ انجمن ترقی اردو میں یہ شعر یوں ہے ۔

عجب شہراں میں ہے پُر نور یک شہر
بلاشک وہ ہے جگ میں مقصد دہر

اور اس غزل میں ۴۷ شعر ہیں۔

۳۲ (۱) اشپرنگر کی فہرست میں ایک مکمل نسخہ کا ذکر ہے (ص ۶۲۱)
(۲) میر قمرالدین منت دہلوی سادات حسینی کے چشم و چراغ تھے۔ اپنے عہد کے بڑے پر گو شاعر تھے۔ تذکرہ نویسوں نے ان کے اشعار کی تعداد قریب ایک لاکھ بتائی ہے۔ ان کی تصانیف میں علاوہ اردو و فارسی دو دواین کے (۱) جواب خمسۂ نظامی (۲) قصۂ ہیر رانجھا، معجزالکمال در جواب سحر ہلال ملا آملی (ناتمام) (۳) شکرستانِ چمنستان در جواب گلستان و بوستان سعدی۔ ۱۱۹۱ھ میں دہلی سے لکھنؤ پہنچے۔ وہیں سرکار انگریزی میں رسوخ حاصل کیا، صوبہ بنگال کی پیش گاہ نظامت سے ملک الشعراء کا خطاب پایا۔ کلکتہ میں ۱۲۰۶ھ یا ۱۲۰۸ھ میں وفات پائی۔
۳۳ ''گلشنِ ہند'' میں تاریخ وفات ۱۲۰۵ھ لکھی ہے، جو غلط ہے۔ جس کی دلیل مصحفی کا قطعۂ تاریخ ہے۔
۳۴ دیوانِ حسن کے دوسرے قلمی نسخوں کے لیے ملاحظہ ہو، اشپرنگر، ص ۶۰۹
۳۵ ایک بہت مذہب و مطلیٰ نسخہ حبیب گنج (نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ تذکرہ قیام فیض آباد کے زمانے میں لکھا گیا۔
۳۶ قادرالکلام شاعر اور صاحب تصانیف تھے۔ ترجمۂ ''فصوص الحکم'' اور ''دہ مجلس ہندی'' ان سے یادگار ہیں۔ قائم نے اپنے تذکرہ میں بہت تعریف کی ہے۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اشعار کا طویل انتخاب دیا ہے اور نثر کا ایک فقرہ بھی نقل کیا ہے اور خان آرزو کا رشتہ دار بتایا ہے۔
۳۷ کرم خوردہ۔
۳۸ دیوان رند کا یہ مخطوطہ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ کا مملوکہ ہے۔ غالباً بنگال کے دورانِ قیام میں فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ میں پہنچایا گیا۔
۳۹ بحوالہ فہرست اشپرنگر، ص ۶۴۱
۴۰ دوسرے نسخوں کے لیے ملاحظہ ہو، اشپرنگر، ص ۶۲۴
۴۱ دیوانِ مجرم کے نسخوں کے لیے ملاحظہ ہو، اشپرنگر، ص ۲۶۲
۴۲ ملاحظہ ہو ''تذکرۂ ہندی'' مصحفی۔ ''گلشنِ ہند'' گردیزی۔ اشپرنگر، ص ۲۱۱
۴۳ شاہ عالم ثانی، سنہ جلوس ۱۱۷۳ھ
۴۴ مُہر سے پہلے عبارت درج ہے ''کتاب دیوانِ آبرو زبان ہندی واقعہ سلخ ربیع الاول ۱۲۱۹ھ دیدہ شد''
۴۵ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ ''تذکرۂ ہندی'' مصحفی۔ ''گلشنِ ہند''، علی لطف۔ ''تذکرہ شعراء'' میر حسن، ''گلزار ابراہیم''، خلیل، ''اربابِ نثر اردو''، سید محمد۔ ''سیر المصنفین'' از تنہا۔ اشپرنگر۔ دیباچہ ''آرائشِ محفل'' از شیر علی افسوس، نساخ۔

۴۶۔ ولاؔ کے متعلق ملاحظہ ہو: اشپرنگر، فہرست کتب خانہ شاہانِ اودھ۔ مصحفیؔ، ''تذکرۂ ہندی''۔ ''سیر المصنفین''، تنہاؔ۔ ''اربابِ نثر اردو''، سید محمد۔ ''دیوانِ جہاں'' (مخطوطہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال)

۴۷۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اشپرنگر ص ۲۵۱، ریو ص ۱۵۱۷، میر حسن ص ۴۷، مصحفیؔ ''تذکرۂ ہندی''۔ ''گلزارِ ابراہیم'' ص ۲۲۹ وغیرہ

۴۸۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اشپرنگر ص ۳۰۵، ۶۴۲۔ دتاسی جلد ۳۔ مصحفیؔ، ''تذکرۂ ہندی'' ص ۲۷۵۔ ''گلزارِ ابراہیم'' ص ۲۶۰۔ میر حسن ۲۰۱

۴۹۔ ملاحظہ ہو قائمؔ ص ۱۔ میر ۱۲۶، جلد ۳۔ اشپرنگر ص ۲۷۸۔ ''مجموعہ نغز''۔ ''دیوانِ جہاں''۔ میر حسن، ص ۱۳۳۔ مصحفیؔ، ''تذکرۂ ہندی'' ص ۱۷۷۔ ''گلزارِ ابراہیم'' ص ۱۹۸

۵۰۔ حوالہ کے لیے دیکھیے: اشپرنگر ص ۲۷۰، ''آبِ حیات''، قائمؔ چاندپوری، ''مخزنِ نکات'' ''گلزارِ ابراہیم'' ص ۲۳۱، مصحفیؔ، ''تذکرۂ ہندی'' ۲۵۸۔ میر تقی میر ''نکات الشعرا'' ص ۱۲۔ تذکرۂ میر حسن ص ۱۷۸

۵۱۔ بحوالہ اشپرنگر فہرست کتب خانہ شاہان اودھ ص ۱۹۹ (ص ۱۹۹ برائے نسخہ دیگر)، ''گلزارِ ابراہیم''۔ مصحفیؔ ''تذکرۂ ہندی'' ص ۱۷

۵۲۔ برائے تفصیلات ملاحظہ ہو: ''سیر المصنفین'' (تنہاؔ)۔ ''اربابِ نثر اردو'' (سید محمد)۔ ''داستانِ تاریخِ اردو'' (حامد حسن قادری)۔ دتاسی، تاریخِ ادبیاتِ ہندی و ہندوستانی۔

۵۳۔ دیوانِ آصف الدولہ کے دوسرے نسخے کے لیے ملاحظہ ہو: اشپرنگر ص ۵۹۶

ضمائم

ضمیمۂ اول:

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے اردو مخطوطات: ایک وضاحتی فہرست

انگریزی: ایس۔ ایم۔ حسن

اردو ترجمہ: جاوید احمد خورشید

ضمیمۂ دوم:

ایشیاٹک سوسائٹی اور نیشنل لائبریری کے اردو مخطوطات

شانتی رنجن بھٹاچاریہ

ضمیمہ اول

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے اردو مخطوطات:
ایک وضاحتی فہرست

انگریزی: ایس. ایم. جسن

اردو ترجمہ: جاوید احمد خورشید

بلوند نامہ

۷۵اوراق، ۳۰ سی ایم، بلا تاریخ

یہ بنارس اور اس کے مضافات کی مختصر تاریخ ہے جو خاص طور پر وہاں کے تین اہم حکمرانوں کی سیاسی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے، جن کے نام راجہ منسا رام، بلوند سنگھ اور چیت سنگھ ہیں۔ اس میں ابتدائی وقتوں سے ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء تک کا احوال ہے۔ یہ مصنف کی یادداشت پر مبنی تاریخ ہے۔ عنوان ''بلوند نامہ'' اس کے اردو مترجم شیو بھکاری لال کا دیا ہوا معلوم ہوتا ہے، جس کا تعلق ضلع غازی پور (یو۔ پی) میں محمود آباد سے ہے۔ اندرونی شواہد کے مطابق اس کا فارسی عنوان ''تحفہ تازہ'' ہے۔ اس کتاب کو اصل میں فارسی میں خیرالدین محمد الہٰ بادی نے تحریر کیا تھا۔

پیش لفظ کے مطابق یہ کام پانچ ابواب میں تقسیم نظر آتا ہے۔

باب۱ راجہ منسارام

باب۲ راجہ بلوند سنگھ

باب۳ راجہ چیت سنگھ

باب۴ راجہ موہت نارائن

باب۵ ادت نارائن

لیکن موجودہ تصنیف کا اختتام تیسرے باب پر ہوتا ہے، جسے ایک جلد میں ترتیب دیا گیا ہے۔ کسی بھی مصدقہ ماخذ سے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ ترجمہ کبھی مکمل بھی تھا یا اصل فارسی میں بھی نا مکمل ہے۔ لیکن عام رائے یہ ہے کہ مولوی خیرالدین اس کام کو مکمل نہ کر سکے تھے۔ جب کہ یہ ترجمہ ایک نایاب کام ہے جو اب بھی غیر مطبوعہ ہے۔ (۲۴)

خود نوشت سوانح نسّاخ

۱۸۲اوراق، ۲۵سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ تصنیف بنگال کے دانش ور و منتظم مولوی عبدالغفور نساخ کی خود نوشت ہے جو ۱۸۳۳ء سے ۱۸۸۸ء تک برسرِ کار رہے۔ نساخ، نواب عبداللطیف خاں کے چھوٹے بھائی ہیں اور انیسویں

صدی کے دوسرے نصف حصے میں بنگال میں ایک نامور ماہرِ تعلیم رہے۔ وہ خود ایک ممتاز شاعر بھی تھے اور ان کے مرزا اسداللہ خاں غالبؔ سے دوستانہ مراسم تھے۔ نساخ نے ۲۰ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ سوائے اس خودنوشت کے تمام تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔

آج تک ان کے اس کام سے عوام بے خبر ہیں شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے اس کام کے بارے میں اصلی ہونے پر شبہات تھے۔ اس کام کا کوئی اور نسخہ کہیں اور موجود نہیں ہے۔ نساخ کے بے شمار شاگرد تھے لیکن بدقسمتی سے ان میں سے کسی نے بھی اس کام کا آج تک کوئی حوالہ نہیں دیا جب کہ اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ دینے سے قبل تفصیلی تحقیق کی ضرورت ہے۔

مذکورہ شاعر نے اس کام کی ابتدا اپنے نسبی تعلق کے بیان سے کی ہے اور اپنے خاندان کی تاریخ کا چند سطروں میں سراغ لگایا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی پیدائش کے وقت اور جگہ کی نشاندہی کی ہے۔ یہ پہلی شوال ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اس تصنیف کو جنوری ۱۸۸۶ء (اپنی موت سے دو سال قبل) تک مکمل کر لیا تھا۔ اس کے بعد انھیں ڈھاکہ بھیج دیا گیا۔ واقعات کی ترتیب تاریخ وار نہیں ہے اور کتاب کا اختتام بھی یک لخت ہو جاتا ہے۔

واقعاتِ اکبری

۴۸۱ اوراق، ۲۵ سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ ابوالفضل کے ''اکبرنامے'' کا ترجمہ ہے۔ اس کے مترجم مولوی خلیل علی اشکؔ ہیں، جو فورٹ ولیم کالج میں منشی تھے۔ اشکؔ نے اس کام کا ترجمہ ۱۸۰۹ء میں کیا تھا۔ (نمبر ۲۸)

منتخب الفوائد

۳۲۸ اوراق، ۲۵ سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ محمد منصور سعید الفرح کے اصل فارسی ''اوصاف الولوک'' کا ترجمہ ہے۔ یہ تصنیف عام اخلاقیات اور رسم و رواج پر ہے، جسے کہانیوں اور حکایات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ابوالفرح کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سلطان شمس الدین التتمش کے دور میں فعال رہا تھا۔ مولوی خلیل علی خاں اشکؔ نے ۱۸۱۰ء میں اس کا ترجمہ فورٹ ولیم کالج کے لیے کیا تھا۔ اصل کام کے بارے

میں کہا جاتا ہے کہ وہ ۳۴ ابواب پر پھیلا ہوا ہے۔ اشکؔ نے اپنے ذہن سے کچھ کہانیاں اور حکایات شامل کر دی ہیں۔ لیکن ابواب کی تعداد وہی برقرار رکھی ہے۔ (نمبر ۱۲۰)

انتخابِ سلطانیہ

۵۳ اوراق، ۲۵ سی۔ ایم، بلا تاریخ

دہلی اور اس کے مضافات کے بارے میں ابتدائی ادوار سے شاہ عالم ثانی تک کی ایک تاریخ ہے۔ اشکؔ نے ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۵ء میں اس کام کو ترتیب دیا تھا۔ ''انتخابِ سلطانیہ'' کا عنوان اس کام کے بارے میں کرونوگرام کا کام انجام دیتا ہے۔ مصنف کا یہ کام مقابلتاً اس لیے اہم ہے کہ اس میں خودسوانحی شذرات شامل ہیں، جو کسی اور جگہ موجود نہیں ہیں۔ یہ شذرات اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ اشکؔ دہلی میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ کے فیض آباد میں پرورش اور ابتدائی تعلیم پائی۔ اپنے پیشے کے ابتدائی زمانے میں وہ شہزادہ جہاں دار شاہ کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے۔ وہ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ آئے اور وہاں اپنے استاد اور مربی کاظم علی جوانؔ سے ملے، جنھوں نے انھیں ڈاکٹر جان بورتھوک گلکرسٹ سے متعارف کرایا۔ (نمبر ۱۹)

دیوانِ جہاں

۱۷۸ اوراق، ۲۵ سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ ایک منتخب مجموعہ ہے، جسے منشی بنی نارائن جہاں نے ڈاکٹر آلائے اسپرنگر کی فرمائش پر ۱۸۱۴ء میں ترتیب دیا۔ جہاںؔ نے فورٹ ولیم کالج کی ملازمت ۱۸۱۱ء میں اختیار کی تھی۔

''دیوانِ جہاں'' کے علاوہ ان کے نام پر دو اور تالیفات بھی ہیں جن کے نام ''چار گلشن'' اور ''تنبیہ الغافلین'' ہیں۔ ''چار گلشن'' اور ''دیوانِ جہاں'' دوسری تالیف ہے۔ ''تنبیہ الغافلین'' شاہ رفیع الدین کی فارسی تصنیف کا ترجمہ ہے اور اس کا فارسی عنوان بھی یہی ہے۔ ''تنبیہ الغافلین'' تا حال شائع نہیں ہوئی۔ (نمبر ۵۶)

چار گلشن

۱۹۲ اوراق، ۲۵ سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ منشی بنی نارائن جہاںؔ کی پہلی تالیف ہے جسے ۱۸۱۱ء میں تحریر کیا گیا تھا۔ یہ ایک شہزادے اور شہزادی کے رومان پر مبنی مشہور کہانی ہے۔ جہاںؔ نے فورٹ ولیم کالج میں مولوی حیدر بخش

حیدری کے ذریعے ملازمت حاصل کی تھی۔ مولوی حیدر بخش حیدری فورٹ ولیم کالج میں سینئر منشی تھے۔ ''چار گلشن'' آج بھی غیر مطبوعہ ہے۔ (نمبر ۱۱۱)

چشمۂ فیض

۳۵ اوراق، ۲۵ سی۔ ایم، ۱۸۰۴ء

یہ فرید الدین عطار کے ''پند نامہ'' کا منظوم ترجمہ ہے، جسے معین الدین فیض نے ۱۸۰۴ء میں جے۔ بی۔ گلکرسٹ کی فرمائش پر ترتیب دیا تھا۔ فیض اصل میں دہلی سے تعلق رکھتے تھے لیکن انھوں نے غازی پور میں سکونت اختیار کی ہوئی تھی جہاں وہ ڈاکٹر گلکرسٹ سے ملے جس کے بعد گلکرسٹ انھیں اپنے ساتھ کلکتہ لائے اور فورٹ ولیم کالج میں ملازمت کی پیش کش کی۔ (نمبر ۱۷)

اقبال نامہ

۴۰۱ اوراق، ۲۰ سی۔ ایم، ۱۸۲۵ء

یہ غلام حسین طباطبائی کی ''سیر المتاخرین'' کے باب دوم کا مکمل ترجمہ ہے، جس کے مترجم میر بخش فیض آبادی ہیں۔ باب دوم ۱۷۳۹ء سے ۱۷۸۱ء تک بنگال کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ موجودہ ترجمہ سراج الدولہ کے بنگال کے تخت پر پہنچنے سے شروع ہوتا ہے اور اس کی تکمیل مبارک الدولہ کے دور کے خاتمے پر ہوتی ہے۔ مبارک الدولہ میر جعفر خاں کا چوتھا فرزند تھا۔ بخش علی فورٹ ولیم کالج سے ۱۸۰۳ء میں منسلک ہوئے تھے۔ یہ تصنیف اب بھی غیر مطبوعہ ہے (نمبر ۲۰)

مظہر العجائب

۸۱ اوراق، ۲۰.۵ سی۔ ایم، ۱۸۴۷ء

یہ مثنوی بالخصوص حضرت علی کی شان میں اور بالعموم پیغمبرِ رسالت کے خاندان کے بارے میں ہے۔ جسے ظہیر حسین ضمیر نے لکھا ہے۔ پیش لفظ کے مطابق مصنف اس سے پہلے بھی ایک اور مثنوی لکھ چکا ہے جس کا نام ''مثنوی نسخۂ محبت'' ہے۔ کاتب: میر احمد ارم (نمبر ۷۶۶)

تاریخِ آسام

۳۹ اوراق، ۲۵ سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ تصنیف احمد شہاب الدین طالش کے چشم دید واقعات پر مبنی ہے۔ اس میں دورِ عالم گیر کے چوتھے اور

پانچویں سال میں آسام اور کوچ بہار میں میر جملہ کی مہم کا ذکر ہے۔ یہ قلمی نسخہ شہاب الدین کی اصل فارسی تصنیف ''فتح عبریہ'' کا ترجمہ ہے جسے فورٹ ولیم کالج کے سینئر منشی میر بہادر علی حسینی نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ حسینی نے ۱۸۰۵ء میں کیا تھا۔ معلومات کے مطابق یہ تصنیف آج تک غیر مطبوعہ ہے۔ نمبر (۲۷)

آرائش محفل

۲۳۷ اوراق، ۲۶ سی۔ ایم، ۱۸۰۵ء

یہ سجان رائے بھنڈاری کے ''خلاصۃ التواریخ'' کا ترجمہ ہے جسے میر شیر علی افسوس نے ۱۸۰۵ء میں مکمل کیا۔ اس ترجمے کی سنگی چھپائی بار بار ہو چکی ہے۔ اصل فارسی نسخہ ڈاکٹر ظفر حسن کے اضافوں کے ساتھ دہلی سے ۱۸۱۸ء میں شائع ہوا تھا۔ حالت اچھی (نمبر ۱۰۸)

تاریخ بغاوت ہند موسوم بہ محاربۂ عظیم

۱۳۹ اوراق، ۱۸ سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے حوالے سے ہندوستان کی اہم تاریخ ہے جسے کنہیا لال نے لکھا ہے، جو ۱۸۸۹ء میں شائع ہوئی۔ ناقص نسخہ (۱۲۸)

تاریخ نادری

۳۷۵ اوراق، ۲۵.۵ سی۔ ایم

یہ مہدی خاں استر آبادی کی فارسی تصنیف ''تاریخ جہان کشائے نادری'' کا ترجمہ ہے، جسے فورٹ ولیم کالج کے سینئر منشی حیدر بخش حیدری نے کیا ہے۔ حیدری نے یہ کام ۱۸۰۹ء میں کیا تھا۔ ''تاریخ نادری'' نادر شاہ افغان کی مشہور تاریخ ہے۔ ''تاریخ نادری'' اس کتاب کی نقل ہے۔ ایک نایاب نسخہ۔ (نمبر ۲۳)

تاریخ شیر شاہ

۱۶۶ اوراق، ۲۶ سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ عباس خان بن شیر علی شیروانی کی فارسی تصنیف کا ترجمہ ہے، جس کا عنوان بھی یہی ہے۔ اس کا ترجمہ فورٹ ولیم کالج کے سینئر منشی مظہر علی خان ولاؔ نے کیا تھا۔ ولاؔ نے اس تصنیف کو ۱۸۰۵ء میں مکمل کیا۔ اس تصنیف کو

ڈاکٹر ایس معین الحق، کراچی نے ۱۹۶۳ء میں مرتب کیا ہے۔ ولاؔ نے ترکی الفاظ اور اُن کے اُردو معنی بھی دیئے ہیں۔ اوراق ۳۷۰ بی اور ۳۷۵ بی (نمبر ۲۵)

تاریخ رام پور

۳۶ اوراق، ۲۷ سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ رام پور اور اس کے مضافات کی تاریخ ہے جسے کچھ نامعلوم مصنفین نے تحریر کیا ہے۔ (نمبر ۴۷۰)

باغ سخن: ترجمہ بوستان

۲۰۲ اوراق، ۲۵ سی۔ ایم، ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء

یہ سعدی کی ''بوستان'' کی شرح اور ترجمہ ہے، جسے مرزا مغل نے نثر میں کیا ہے اور یہ میر غلام حسین کی شرح پر مبنی ہے۔ مرزا مغل لکھنؤ کا ایک رہنے والا تھا اور مرزا کاظم علی جواںؔ کا شاگرد تھا۔ مصنف کو اس کتاب کو لکھنے پر ۴۰۰ روپے انعام سے نوازا گیا تھا۔ اس کے پیشِ لفظ میں مرزا مغل کے بارے میں سوانحی معلومات شامل ہیں۔ (نمبر ۱۲)

بیتال پچیسی

۱۹۸ اوراق، ۲۴ سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ کتاب ایک ترجمہ ہے۔ جسے مظہر علی خان ولاؔ نے ۱۸۰۳ء میں مکمل کیا تھا۔ ولاؔ اس ترجمے میں سری للو لال کی مدد کو سراہتے ہیں۔ اس کی سنگی چھپائی بار بار ہو چکی ہے۔ (نمبر ۳۰)

نشاط العشق: شرح غوثیہ

۱۵۰ اوراق، ۲۴ سی۔ ایم، بلا تاریخ

یہ شیخ عبد القادر جیلانی پر لکھے جانے والے رسالے (تصوف) کی شرح ہے۔ جسے عبداللہ شاہ قادری نے دکنی اُردو میں لکھا ہے۔ (نمبر ۸)

رسالہ در بیان معدنیات

۱۳۵ اوراق، ۱۸ سی۔ ایم، ۱۸۴۱ء

یہ کیمیا پر ایک نوٹ بک ہے جس میں کچھ معدنیات جیسے سونا، چاندی، تانبا، زنگ اور میگنیز

آکسائڈ کے بارے میں معلومات شامل ہیں۔ (نمبر۳۳) کاتب: شیو چندرا کرماکر

تاریخ غریبی

۱۱۱۳اوراق، ۱۸سی۔ایم، بلاتاریخ

شاعری میں موجود دیو مالائی کہانیوں کا منتخب مجموعہ ہے۔ مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کتاب کی تاریخ ۱۱۱۴ھ تحریر کی گئی ہے۔ اس کی زبان بھاکھا ہے۔ (نمبر۱۳۲)

اخلاق ہندی

۳۰اوراق، ۲۵سی۔ایم، بلاتاریخ

یہ مفتی تاج الدین کی فارسی تصنیف ''مفرح القلوب'' کا ترجمہ ہے۔ جسے فورٹ ولیم کالج کے سینئر منشی بہادر علی حسینی نے کیا تھا۔ بہادر علی نے اس کا ترجمہ ۱۸۰۲ء میں مکمل کیا تھا۔ مطبوعہ اشاعت، کلکتہ، ۱۸۰۳ء (نمبر۱۱۶)

انوار سہیلی

۳۸۵اوراق، ۲۴سی۔ایم، بلاتاریخ

یہ ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی تصنیف ''انوار سہیلی'' کا دکنی نثر میں ترجمہ ہے۔ (نمبر۱۲۹)

فرس نامۂ رنگین

۴۷اوراق، ۲۳.۵سی۔ایم، بلاتاریخ

یہ مخطوطہ گھوڑے پالنے پر مبنی ہے۔ اس میں مختلف گھوڑوں کی نسلوں اور ان کی خصوصیات وغیرہ سے متعلق معلومات درج ہیں، جسے سعادت یار خان رنگین نے لکھا ہے۔ رنگین پر انجمن ترقی اردو کراچی نے ۱۹۵۸ء میں پی ایچ ڈی کا مقالہ شائع کیا ہے۔ (نمبر۳۷)

آرائش محفل: قصہ حاتم طائی

۲۸۱اوراق، ۲۶سی۔ایم، بلاتاریخ

یہ تصنیف ''ہفت سیر حاتم'' کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ مولوی حیدر بخش حیدری نے فورٹ ولیم کالج میں داخلے سے کچھ دیر بعد ہی اس کی تالیف ۱۸۱۰ء میں مکمل کی تھی۔ گلکرسٹ کے منصوبے کے تحت اس کتاب نے ۴۰۰ کا انعام حاصل کیا۔ پہلی مرتبہ ۱۸۰۲ء میں شائع ہوئی۔ اس

کے بعداس کی بار بار سنگی چھپائی ہوتی رہی۔ (نمبر ۱۸)

گنج خوبی

۱۵۰ اوراق، ۲۴ سی۔ایم، بلا تاریخ

یہ ملا حسین واعظ کاشفی کی ''اخلاق محسنی'' کا ترجمہ ہے۔ جسے میر امن دہلوی نے کیا تھا۔ شائع شدہ اشاعت ۱۸۴۶ء (نمبر ۴۶۶)

گلزار دانش

۵۵۹ اوراق، ۲۶.۵ سی۔ایم، ۱۸۰۴ء

یہ شیخ عنایت اللہ کی ''بہار دانش'' کا ترجمہ ہے، جس کے مترجم فورٹ ولیم کالج کے سنیئر منشی حیدر بخش حیدری ہیں۔ حیدری نے ۱۸۰۴ء میں اس کا ترجمہ مکمل کیا۔ ایک نایاب نسخہ۔ اب تک غیر مطبوعہ ہے۔

نوطرز مرصع

۱۱۱۶ اوراق، ۲۳ سی۔ایم، بلا تاریخ

یہ امیر خسرو کے ''قصہ چہار درویش'' کا ترجمہ اور اس سے ماخوذ ہے۔ اسے میر محمد عطا حسین خان نے جسے عام طور پر ''مرصع رقم'' کے نام سے جانا جاتا ہے، کیا ہے۔ اس کتاب کو ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے مرتب کیا ہے۔ الٰہ باد، ۱۹۵۸ء (نمبر ۱۲۲)

نثر بے نظیر

۱۰۶ اوراق، ۲۴ سی۔ایم، بلا تاریخ

یہ میر حسن کی ''مثنوی سحر البیان'' کا نثری ترجمہ ہے۔ جسے فورٹ ولیم کالج کے سینئر منشی میر بہادر علی حسینی نے مرتب کیا ہے۔ میر حسن نے اس کی تالیف ۱۸۰۲ ئمیں مکمل کی۔ ۱۸۰۳ء میں یہ تصنیف پہلی بار شائع ہوئی۔ اس کے بعد اس کی بار بار اشاعت ہوتی رہی ہے۔ (نمبر ۱۲۱)

پھول بن

۷۲ اوراق، ۲۴ سی۔ایم، بلا تاریخ

یہ ابن نشاطی کی عشقیہ نظم ہے، جسے عبدالقادری سروری نے مرتب کیا۔ حیدرآباد دکن (نمبر ۸۰)

سنگھاسن بتیسی

۱۳۰اوراق،۲۴سی۔ایم،۱۸۰۱ء

یہ مرزا کاظم علی جوآن کا ایک ترجمہ ہے۔جس پر انہیں نے ۲۰۰روپے کا انعام ملا۔کاظم علی نے وضاحت کی ہے کہ بادشاہ شاہ جہاں کی فرمائش پر اسے پہلی مرتبہ سنسکرت سے بھاکا میں منتقل کیا گیا۔موجودہ ترجمہ بھاکا سے کیا گیا ہے جو بہت نایاب ہے۔

ہفت پیکر

۱۴۷اوراق،۲۵سی۔ایم،بلا تاریخ

یہ نظامی گنجوی کے'ہفت پیکر'' سے ماخوذ ہے۔جس کی تالیف ۱۸۰۵ء میں حیدر بخش حیدری نے مکمل کی۔

خوان نعمت

۱۹۰اوراق،۲۵سی۔ایم،بلا تاریخ

حمید الدین بہاری کی مقامی پکوان پر مبنی ایک کتاب ہے،اسے''خوان الاخوان'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔اس کی تالیف پر مصنف کو۱۰۰روپے کا انعام ملا تھا۔(نمبر۳۰)

خردافروز

۳۸۹اوراق،۲۶سی۔ایم،۱۸۰۲ء

یہ ابوالفضل کی''عیار دانش'' کا ترجمہ ہے جس کے مترجم فورٹ ولیم کالج کے سینئر منشی حفیظ الدین احمد تھے۔حفیظ الدین احمد کو اس تالیف پر۲۰۰روپے کا انعام دیا گیا تھا۔یہ پہلی مرتبہ۱۸۰۵ء میں شائع ہوئی۔(نمبر۱۱۸)

ہفت گلشن

۲۹اوراق،۲۴سی۔ایم،بلا تاریخ

یہ ناصر علی خان واسطی کی فارسی تصنیف'ہفت گلشن'' کا ترجمہ ہے جس کی تالیف مظہر علی خان ولاؔ نے ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء میں مکمل کی۔اس کتاب کو عام اخلاقیات اور طور طریقوں پر مشتمل کہانیوں اور حکایتوں کی صورت میں لکھا گیا ہے۔اشاعت عبادت بریلوی ۱۹۶۴ء(نمبر۱۳۱)

بہار دانش: باغ و بہار

۱۹۷اوراق، ۲۴سی۔ایم، ۱۲۰۷اے ایچ/۱۷۹۲ء

یہ میر حسن کی ''مثنوی سحر البیان'' کے اسلوب اور بحر میں ہے۔مرزا جان تپش کتاب کے عنوان کی وضاحت ''باغ و بہار'' سے کرتے ہیں جنھوں نے نقل کا کام بھی انجام دیا ہے۔اس کی بار بار سنگی چھپائی ہو چکی ہے۔ایشیاٹک سوسائٹی میں اس تصنیف کے دو نسخے موجود ہیں۔(نمبر ۷۵۵)

ترجمہ کتاب نور الابصار

۷۶اوراق، ۱۹سی۔ایم، بلا تاریخ

یہ تصنیف ''مختار نامہ'' کے عنوان سے جانی جاتی ہے، جو سید ابراہیم کی عربی تصنیف ''نور الابصار'' کا ترجمہ ہے، جسے حاتم علی مہر نے کیا ہے۔اس میں امام حسین کی شہادت کے وقوعے کے بعد کے واقعات کا بیان ہے۔اس میں مختار بی عبیدہ السقفی کا خاص حوالہ ہے۔نامکمل نسخہ(نمبر ۴۱۹)

ترجمہ مفتاح الصلوٰہ

۱۹۲اوراق، ۲۵سی۔ایم، ۱۸۷۴ء

یہ فتح محمد محدث برہان پوری کی عربی تصنیف کا ترجمہ ہے جو انھوں نے مسلم قوانین پر کیا تھا۔اس کا ترجمہ دہلی کے سید امام الدین واعظ نے کیا تھا جنھیں خاص طور پر فقر الہند کے نام سے جانا جاتا ہے۔مترجم نے یہ کام ۷۰ سال کی پختہ عمر میں کیا تھا۔ایک دستخطی نسخہ۔حالت: اچھی(نمبر ۳)

مہر: نصیر الدولہ بہادر نصرت جنگ۔۱۱۰۸ھ

ترجمہ تمہیدات عین القضاہ

۱۵۵اوراق، ۳۰سی۔ایم، بلا ۱۱۲۳ھ/۱۷۱۱ء

یہ دکنی نثر میں تصوف پر ایک علمی رسالے کا ترجمہ ہے جس کے مترجم عبدالقادر ہیں۔پہلا ورق موجود نہیں ہے اس لیے اس کی ابتداء اچانک ہوتی ہے۔یہ ایک دستخطی نسخہ ہے۔حالت: اچھی۔

''تمہیدات عین القضاہ'' کا عنوان صرف صفحہ اوّل پر لکھا ہوا ہے۔ایک پرانا نسخہ۔جس کی

تاحال اشاعت نہیں ہوئی۔ (نمبر۱۰)

تحفۃ العوام

۷۲اوراق، ۵،۱۰اسی ایم، بلا تاریخ

اثناء عشری مذہب پر ۲۷ابواب پر مبنی ایک مذہبی رسالہ ہے۔ مصنف نے اپنا نام تحریر نہیں کیا ہے۔ مہر: حاتم شاہ ۱۲۶۹ھ (نمبر۷۶۰)

طوطی نامہ

۱۶۲اوراق، ۳۰سی ایم، بلا تاریخ

یہ غواصی کے طوطی نامے کا منظوم ترجمہ ہے۔ جس کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متن کو امام الدین محمد نے نقل کیا ہے۔ (نمبر۸۱)

قصہ بلند اختر مع مثنوی در احوال کلکتہ

۱۸۳اوراق، ۱۹اسی ایم، بلا تاریخ

مثنوی میں عشقیہ کہانی کو زمانی سبقت دی گئی ہے۔ پیش لفظ کے مطابق مصنف نورخان کو سلیم گڑھ میں شاہی فوج کے ساتھ پہلے مقرر کیا گیا تھا لیکن ان کے والد کی موت کے بعد خان لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ نورخان شہزادہ جہاندار شاہ کے دربار کی ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ جہاندار شاہ فن کی بڑی سرپرستی کرتے تھے۔

جہاندار شاہ کی وفات کے بعد انھوں نے آصف الدولہ کی ملازمت اختیار کی اور کلکتہ آ گئے۔ وہاں یہ کام فورٹ ولیم کالج کے بااختیار افراد کو پیش کیا گیا۔ جس کہانی کو یہاں پیش کیا گیا ہے وہ مرزا جہاندار شاہ اور شہزادی بہار آور بانو کے رومان کی کہانی ہے۔ (نمبر۱۲۳)

قصہ لعل و گوہر

۱۲۱اوراق، ۲۰سی ایم، ۱۲۸۱اے ایچ/۱۸۶۴ء

یہ فارسی تصنیف سے دکنی اردو میں عشقیہ نظم کا ترجمہ ہے، جسے اعجاز نے کیا ہے۔ اس ترجمہ میں فارسی رسائل کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کچھ نامکمل رسالوں کے بے ترتیب صفحات بھی اس تصنیف کے ساتھ منسلک کر دیے گئے ہیں، جنھیں اس سے علیحدہ کرنے کی ضرورت ہے۔

کاتب۔ سدآنند۔ مہر: منور علی خان (نمبر۱۳۲)

حسن و عشق: قصہ گل و ہرمز

۱۲۱اوراق، ۲۶سی ایم، ۱۸۵۸ء

یہ کسی فارسی تصنیف کا نثری ترجمہ ہے۔ مولوی غلام حیدر عزت نے جوان برتھوک گلکرسٹ کی فرمائش پر ۱۸۰۳ء میں اسے اردو میں منتقل کیا تھا۔ گلکرسٹ نے اس کام کے لیے ۱۵۰روپے کے انعام کی سفارش کی تھی۔ موجودہ نسخہ بردوان کے مولوی بشیرالدین احمد کا قلمی نسخہ ہے۔ سوسائٹی کے ذخائر میں اس نسخے کی ۱۸۰۳ء کی مختصر نقل بھی موجود ہے۔ یہ تصنیف ''قصہ گل و ہرمز'' کے عنوان سے بھی معروف ہے (نمبر۱۷۷)

انشائے نورتن

۱۹۹اوراق، ۱۲۰سی ایم، بلا تاریخ

اس میں فتح پور کے ایک باشندے محمد بخش مہجور نے مختلف رومانی کہانیوں کو جمع کیا ہے۔ یہ تصنیف ''حکایات عاشقان'' کے نام سے بھی معروف ہے (نمبر۴۱۸)

جامع الاخلاق

۱۹۳اوراق، ۲۴سی ایم، بلا تاریخ

یہ جلال الدین محقق دوانی کی فارسی تصنیف ''اخلاق جلالی'' کا ترجمہ ہے جس کے مترجم فورٹ ولیم کالج کے ایک منشی مولوی امانت اللہ تھے۔ یہ ترجمہ انھوں نے ۱۸۰۵ میں مکمل کیا تھا۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۴۸ (نمبر۱۴)

گلشن اخلاق

۱۴۰اوراق، ۲۰سی ایم، ۱۸۰۹ء

یہ عام اخلاقیات پر سید علی بن شیر علی افسوس کی ایک تصنیف ہے۔ اکبر شاہ ثانی کے دور میں یہ تالیف مکمل ہوئی تھی یہ کام ۱۶ ابواب میں منقسم ہے۔ ہر باب کے لیے گلشن کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ (نمبر۱۳)

گلشن عشق

۱۴۴اوراق،۲۰سی ایم،۱۸۰۹ء؟

یہ فارسی تصنیف کا دکنی اردو میں منظوم ترجمہ ہے۔ مترجم نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا ہے لیکن اپنے مرّبی سلطان علی عادل شاہ کی، جن کا تعلق بیجاپور سے تھا، خوب مدح سرائی کی ہے۔ ابتدائی صفحہ پر ''قصہ منوہر ومدھومالتا'' لکھا ہے (نمبر۷۵)

رسالہ در ہندی

۱۰۹اوراق،۲۴سی ایم،۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء

یہ شاہ محمد غیاث الدین کا تصوف پر علمی رسالہ ہے جو عام طور پر خواجہ غیاث الدین کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ انھوں نے اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں اسے دکنی نظم میں مرتب کیا تھا۔ یہ نسخہ ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء کا ہے۔ اس میں دکنی الفاظ کے اردو معنوں کی ایک فہرست بھی شامل ہے (اوراق ۱۰۹۔۱۰۶) حالت: اچھی۔ ایک نایاب نسخہ (نمبر۷۷۴)

شاہ نامہ

۱۳۳۸اوراق،۲۶سی ایم،۱۸۴۴ء

یہ فردوسی کے ''شاہ نامہ'' کا منظوم نسخہ ہے، جسے مول چند لکھنوی نے لکھا ہے۔ کاتب: احمد بیگ۔ پہلی اشاعت۔ کلکتہ ۱۸۴۶ (نمبر۴۷۱)

شاہ نامہ: قصہ خسروان عجم

۱۸۶اوراق،۲۰سی ایم،۱۸۴۴ء

فردوسی کے ''شاہ نامہ کا'' منظوم ترجمہ ہے۔ مترجم نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا ہے۔ کاتب داتا رام برہمن اس تصنیف کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہ اکبر شاہ ثانی کے دور میں مرتب کیا تھا۔ موجودہ نسخہ ناقص ہے اور اسے دو مختلف شکستہ خطوں میں تحریر کیا گیا ہے (نمبر۱۰۴)

شاہ نامہ ہندی

۱۳۸۱اوراق،۳۷سی ایم،۱۸۱۱

یہ فردوسی کے ''شاہ نامہ'' کا نثری ترجمہ ہے جس کے مترجم محمد علی بن سید نثار علی ہیں، جو

نواب آصف الدولہ کے دربار سے منسلک تھے یہ ترجمہ ''شاہ نامہ'' کی مکمل اشاعت پر مبنی ہے، جسے شاہ جہاں کے دور میں ''شمشیر خانی'' کہا جاتا تھا (نمبر۲۲)

ترجمہ تحفہ

۶۳ اوراق، ۱۵سی ایم، بلا تاریخ

سلطان فتح علی ٹیپو کی فرمائش پر دکنی نظم میں تصوف پر یہ ایک علمی رسالہ ہے۔ کتاب ٹیپو کی مدح سے شروع ہوتی ہے۔ اصل متن شیخ نصیر الدین محمود کی روداد سے شروع ہوتا ہے جس کے بارے میں مصنف دل میں بہت احترام رکھتا ہے۔ مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، شاید اس لیے کہ یہ مختلف صوفیوں کے اقوال کا مجموعہ ہے اور شاید اس لیے کہ یہ سلطان کے لیے ایک تحفہ ہے ۔تالیف کا سال ۱۲۳۰ھ دیا گیا ہے۔ صفحات جلد سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور کچھ تیزاب سے بھی خراب ہو گئے ہیں۔ کاتب: محمد رستم جو خود کو پروردہ سرکار خداداد کہتا ہے۔ (نمبر۱۰۶)۔

سرنگاہ پٹن کے سقوط کے بعد سلطان ٹیپو کا کتب خانہ بکھر گیا تھا اور کتابیں اور قلمی نسخے لندن منتقل کر دیے گئے تھے۔ کچھ فورٹ ولیم کالج میں اور کچھ میسور ہی میں محفوظ کر دیے گئے تھے۔ مسٹر چارلس اسٹیورٹ نے ۱۸۰۹ میں ان قلمی نسخوں کی فہرست تیار کی تھی۔ بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی نے کچھ عربی، فارسی اور اردو قلمی نسخے حاصل کیے تھے۔

اضراب سلطانی یا فتح نامہ ٹیپو سلطان

۸۲ اوراق، ۲۰سی ایم، بلا تاریخ

یہ جنگ ٹیپو اور مرہٹوں، نظام اور انگریزوں کے مابین، شاید میسور کی تیسری جنگ کی منظوم روداد ہے۔ مصنف نے اپنا نام صرف عزّت لکھا ہے جس کے بارے میں قوی امکان ہے کہ یہ حسین علی عزّت ہیں۔ حالت: اچھی۔ اب بھی غیر مطبوعہ ہے۔ (نمبر۷۷)

خلاصہ سُلطانی

۷۹ اوراق، ۲۲سی ایم، بلا تاریخ

یہ قاضی غلام احمد کا مسلمانوں کے عقائد اور رسومات پر دکنی نثر میں علمی رسالہ ہے، جسے ٹیپو سلطان کی ہدایات پر مرتب کیا گیا تھا۔ صفحات جلد سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ (نمبر۵)

احکام النساء

۳۹اوراق، ۲۰سی ایم، بلا تاریخ

دکنی نثر میں مسلمان خواتین کے مذہبی رسوم ورواج پر یہ مختصر رسالہ ہے، جسے قاضی غلام احمد نے مذکورہ سلطان کی فرمائش پر مرتب کیا تھا۔ (نمبر۶)

قصہ بہرام وگل اندام

۷۳اوراق، ۳۲سی ایم، بلا تاریخ

یہ ملا وجہی کی دکنی اردو میں عشقیہ نظم ہے۔ گولکنڈہ کے سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے نام اس کا انتساب کیا گیا ہے۔ کئی صفحات خالی چھوڑ دیے گئے ہیں یا نصف استعمال کیے گئے ہیں۔ تاریخ تالیف ۱۰۸۱ھ /۱۶۷۰ء۔ (نمبر۹۸)

محیط دانش

۴۷۷اوراق، ۳۵سی ایم، ۱۸۰۳ء

یہ ابوالفضل کی ''عیاردانش'' کا ترجمہ ہے، جسے شاہ عالم ثانی کے دور میں رام داس محیط نے کیا تھا۔ ادب کا ایک اچھا فن پارہ ہے۔ اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ (نمبر۴۶۷)

ترجمہ قرآن شریف

۵۰۶اوراق، ۲۴سی ایم، ۱۸۰۴ء

میر بہادر علی حسینی کی سربراہی میں مولوی امانت اللہ، مولوی فضل اللہ اور مرزا کاظم علی جواں نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا۔ مترجمین نے اس پر ۵۰۰ روپے کا انعام وصول کیا۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر جان بورتھ وک گلکرسٹ کی دل چسپی کی وجہ سے ہوا۔ (نمبر۱)

بہار عشق: ترجمہ نل دمن

۱۵۷اوراق، ۲۳سی ایم، ۱۸۱۰ء

یہ فیضی کی نل دمن کا نثری ترجمہ ہے، جسے ہگلی ضلع کے نور علی بن نادر علی نے کیا۔ نور علی کو فورٹ ولیم کالج کے با اختیار افراد سے کاظم علی جواں نے متعارف کرایا تھا۔ (نمبر۱۰۹)

بحرِ عشق: ترجمہ سیف الملوک

۲۹اوراق، ۲۴سی ایم، ۱۸۰۳ء

یہ فارسی تصنیف ''سیف الملوک'' کا ترجمہ ہے۔ میر بہادر علی حسینی نے فورٹ ولیم کالج کے بااختیار افراد سے مترجم سید منصور بن سید امام بخش حسینی موسوی کو متعارف کرایا تھا۔ منصور علی نے ڈاکٹر جے بی گلکرسٹ کی فرمائش پر اس تصنیف کا ترجمہ ۱۸۰۳ء میں مکمل کیا۔ (۱۱۰)

چراغِ ایمان

۲۵۵اوراق، ۲۳سی ایم، ۱۸۹۰ء

یہ محمد یحییٰ فتاحی کی فارسی تصنیف کا ترجمہ ہے جس کے مترجم عبدالماجد خان ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ان سطور کو بھی انھوں نے ہی لکھا ہے۔ ترجمہ کا آغاز ۱۳۰۶ھ میں ہوا اور اس کا اختتام دو سال بعد ۱۳۰۸ھ یعنی ۱۸۹۰ء میں ہوا۔ اس تصنیف سے پہلے مترجم دو اور کام بھی کر چکے تھے، جس میں ''شرح اسکندر نامہ'' اور ''شرح قصائد عرفی'' شامل ہیں۔ دونوں کو لکھنؤ کے نول کشور پریس نے شائع کیا ہے۔ موجودہ نسخہ مصنف کا تحریر کردہ ہے۔ (نمبر ۸۲۵)

ضرب الامثال

۶۴اوراق، ۲۵سی ایم، بلا تاریخ

یہ عربی اور فارسی محاوروں پر ایک ایسا کام ہے جس میں محاوروں کے اردو معنی سرخ روشنائی سے واضح انداز میں لکھے گئے ہیں، جسے کسی نامعلوم مصنف نے لکھا ہے۔ فارسی محاوروں کا ورق اے ۳۱۔ ا؛ عربی محاورے: ورق بی ۳۱۔ بی ۶۴۔ لگتا ہے یہ کام فورٹ ولیم کالج کے لیے کیا گیا تھا۔ آخر میں نامکمل ہے۔ (نمبر ۲۹)

دہ مجلس

۸۵اوراق، سی ایم، ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء

یہ تصنیف سانحہ کربلا پر ہے، جسے شیخ محمد بخش نے نثر میں لکھا۔ مظہر علی خان ولاؔ نے اس کا نام ''غمنامہ ایام'' رکھا ہے۔ (نمبر ۲۶)

ذکر الشہادتین

(۱۵۱ اوراق، ۳۱ سی ایم، ۱۸۰۳ء)

یہ دہلی کے ایک باشندے باسط خان باسط کی ایک مشہور عشقیہ کہانی ''گل وصنوبر'' ہے، جسے ہندی کہانیوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ پیشِ لفظ کے مطابق باسط خان اپنے والد کے ساتھ پانچ سال کی عمر میں دہلی سے نکل گئے تھے اور وہاں سے پٹنہ منتقل ہو گئے تھے۔ جہاں ان کے والد نے مہاراجہ کلیان سنگھ کی نوکری اختیار کر لی تھی۔ اس کے بعد باسط خان نے بنگال کا سفر کر کے نواب مبارک الدولہ کی نوکری اختیار کی جو میر جعفر علی خان کے چوتھے فرزند تھے۔ یہاں باسط خان کو فورٹ ولیم کالج کے بااختیار افراد سے متعارف کرایا گیا۔ ڈاکٹر جے۔ بی۔ گلکراسٹ نے انھیں ہدایت کی کہ کہانی کو آسان اور عام فہم انداز میں تحریر کریں۔ اس کی تکمیل کے بعد انھیں ۷۰ روپے کا انعام دیا گیا۔ حالت: اچھی (نمبر ۱۱۲)

حجۃ القوی

(۴۵ اوراق، ۱۵ سی ایم، ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء)

یہ دکنی نثر میں مسلمانوں کے عقائد پر ایک مختصر مقالہ ہے۔ جسے سید احمد قادری نے لکھا ہے۔ کاتب: محمد عبداللہ (نمبر ۷)

جہانگیر شاہی

(۳۹۳ اوراق، ۳۰ سی ایم، بلا تاریخ)

یہ معتمد خان بخشی کی ''اقبال نامہ جہانگیری'' کا ترجمہ ہے جس کے مترجم مظہر علی خان ولاؔ ہیں۔ یہ کام ولاؔ کا آخری کام [illegible] عجلت میں بھی مکمل کیا ہے۔ ولاؔ کی ''جہانگیر شاہی'' ایک نایاب تصنیف ہے۔ اسے ۱۸۰۹ء میں مکمل کیا گیا تھا۔ اس کے اپنے بیان کے مطابق اس کام کی تکمیل کے بعد کاظم علی جواںؔ نے اس کام کو دیکھا تھا۔ (نمبر ۱۲)

جذبہ عشق

(۱۹۴ اوراق، ۲۰ سی ایم، ۱۸۰۱ء)

حسین شاہ نے یہ عشقیہ کہانی ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء میں مرتب کی تھی۔ (نمبر ۱۱۷)

پدماوت

(۱۲۸اوراق،۲۱سی ایم،۱۳۰۸ء)

یہ ملک محمد جائسی کی ''پدماوت'' کا منظوم ترجمہ ہے۔ جسے میر ضیاء الدین عبرتؔ اور غلام علی عشرتؔ نے کیا تھا۔ ترجمے کا آغاز عبرتؔ نے کیا تھا لیکن اس کی تکمیل سے قبل، جب اس کا انتقال ہوگیا، تو اسے عشرتؔ نے مکمل کیا۔ (نمبر۹۵)

رسالہ راگ

(۱۰۸اوراق،۲۲سی ایم، بلا تاریخ)

یہ بھاکا زبان میں نامعلوم مصنفین کی راگ اور راگنیوں پر ایک تصنیف ہے۔ عنوان ''رسالہ راگ'' صرف ابتدائی صفحے پر تحریر ہے۔ (نمبر۱۳)

قصہ ترکی

(۸۷اوراق،۱۶سی ایم، بلا تاریخ)

کچھ ترکی کہانیوں کا نامعلوم ترجمہ ہے۔ دونوں اطراف سے ناقص ہے۔ کہانی کا متن بھی نامکمل ہے۔ (نمبر۴۱۶)

تائید المسلمین واثبات ختم نبوت النبیین

(۱۲۵اوراق،۲۰سی ایم، بلا تاریخ)

پیغمبر محمد ﷺ کے دفاع میں ایک مختصر علمی رسالہ ہے، جو چند عیسائی مشنری مصنفین کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ تصدق علی (نمبر۴۲۱)

قصہ رضوان شاہ اور روح افزا

(۶۰اوراق،۲۲سی ایم، بلا تاریخ)

یہ مولوی خلیل احمد خان اشکؔ کی ایک نایاب تصنیف ہے۔ یہ ایک مشہور قصہ ہے۔ جس میں رضوان شاہ اور شہزادی روح افزا کی عشقیہ کہانی بیان کی گئی ہے۔ یہ قصہ ''گلزارِ چین'' کے مشابہ ہے۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں اس کا سراغ لگایا تھا۔ مسٹر چارلس اسٹورٹ نے فارسی تصنیف کا اسی عنوان سے میسور کے ٹیپو سلطان کے کتب خانے میں سراغ لگایا تھا۔ خلیل کی تصنیف اس اصل فارسی تصنیف کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ (نمبر۱۲۶)

ضمیمۂ دوم

ایشیاٹک سوسائٹی اور نیشنل لائبریری کے اُردو مخطوطات

شانتی رنجن بھٹاچاریہ

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے اردو مخطوطات

ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ علمی ادارہ ہے لہٰذا اس کا تعارف کرانا غیر ضروری ہے۔ سوسائٹی کی اپنی عالی شان عمارت، نمبر ایک، پارک اسٹریٹ اور جواہر لال نہرو روڈ کے موڑ پر ہے۔ مقام افسوس ہے کہ اس نامور ادارے میں بھی اردو تصانیف اور مخطوطات کی کوئی چھپی ہوئی فہرست (کٹیلاگ) نہیں ہے۔[1] دراصل اردو کو کبھی ''باعزت علمی، ادبی زبان'' کا درجہ نہیں دیا گیا اور اسے گھر کی لونڈی یا گھر کی مرغی دال برابر ہی سمجھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف بڑے اور نامی کتب خانوں میں، جہاں عربی فارسی مخطوطات کی فہرست ہے، وہاں اردو مخطوطات کی فہرست نہیں ہے۔ اب اردو کی کچھ قدر ہونے لگی ہے۔[2] لہٰذا یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ آئندہ ۱۰، ۱۵ سالوں میں مختلف کتب خانے اردو مخطوطات کی فہرست شائع کریں گے۔ چوں کہ ایشیاٹک سوسائٹی کے اردو مخطوطات کی فہرست نہیں ہے، لہٰذا ان کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنا مشکل ہے۔ لائبریری کے شعبہ اردو، فارسی اور عربی وغیرہ کے انچارج صاحب کے ہاں ایک پرانا کھاتا (رجسٹر) ہے[3] جس میں انھوں نے اپنی سہولت کے لیے تمام اردو مخطوطات کے نام درج کر رکھے ہیں اور اس کھاتے میں جو سلسلہ نمبر کسی مخطوطے کا ہے، اسی حوالہ نمبر کے تحت وہ مخطوطہ دیکھنے کے لیے مل سکتا ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کے اردو مخطوطات دو الگ الگ ''کلکشن'' کے تحت آتے ہیں۔ ایک کو ''سوسائٹی کلکشن'' اور دوسرے کو ''اردو کلکشن'' کا نام دیا گیا ہے۔ ''سوسائٹی کلکشن'' کے تحت ۱۳۴، اور ''اردو کلکشن'' کے تحت ۸۰، یعنی جملہ ۲۱۴ مخطوطات محفوظ ہیں۔

یہاں رجسٹر سے جو معلومات ملتی ہیں، وہ نقل کر رہا ہوں۔ مخطوطے کا حوالہ نمبر بھی لکھ رہا ہوں چوں کہ اسی حوالہ نمبر کے تحت وہ مخطوطے مل سکتے ہیں:

حوالہ نمبر	نام مخطوطہ	مصنف	کیفیت
۱۔	ترجمہ قرآن شریف	مولوی امانت اللہ	جان گل کرسٹ کے حکم پر ۱۲۱۷ء میں ترجمہ شروع کیا گیا اور ۱۲۱۹ھ میں مکمل ہوا

۲۔	رسالہ در حدیث	.....	فقہ
۳۔	ترجمہ مفتاح الصلوۃ	سید ایمان الدین کامل	۱۱۹۲ھ
۴۔	احکام النساء	قاضی غلام احمد	......
۵۔	خلاصہ سلطانی	قاضی غلام احمد	......
۶۔	رسالہ در قصہ[۴]	قاضی غلام احمد	......
۷۔	حجت القوی	سید احمد قاری	۱۱۹۰ھ۔تصوف
۸۔	نشاط عشق	شاہ حبیب اللہ قادری	......
۹۔	شرح گلشن راز	......	......
۱۰۔	ترجمہ تمہیدات عین القصنات	......	......
۱۱۔	تحفۃ المرسلہ	حبیب	......
۱۲۔	باغ سخن[۵] ترجمہ بوستان	حاجی مرزا مغل متخلص بہ نشان	
۱۳۔	گلشن اخلاق	سید علی ابن سید شیر علی جعفری	۱۲۲۰ھ
۱۴۔	جامع الاخلاق	شیخ امانت اللہ	اس مخطوطے کی حالت خراب ہے اور یہ سنہ ۱۲۲۰ھ کا ہے۔
۱۵۔	گلزار ابراہیم[۶]	علی ابراہیم خاں	۱۱۹۸ھ
۱۶۔	تذکرۂ شعرا اردو[۷]	فتح علی گردیزی	......
۱۷۔	تذکرۂ مصحفی[۸]	شیخ غلام ہمدانی مصحفی	۱۲۰۹ھ
۱۸۔	آرائش محفل[۹]	سید حیدر بخش متخلص بہ حیدری	۱۲۲۰ھ
۱۹۔	انتخاب سلطانیہ اردو	محمد خلیل علی خاں	۱۲۱۹ھ
۲۰۔	اقبال نامہ	سید بخش علی فیض آبادی	
۲۱۔	جہانگیر شاہی	مظہر علی[۱۰]	۱۲۴۴ھ

۲۲۔	شاہ نامہ ہندی	سید محمد علی ابن سید نثار علی	۱۲۲۶ھ
۲۳۔	تاریخ نادری	سید حیدر بخش حیدری	۱۲۲۴ھ
۲۴۔	ترجمہ بلوندنامہ	شیو بھیکن لال	یہ غازی پور کی تاریخ ہے
۲۵۔	ترجمہ تاریخ شیر شاہی[11]	مظہر علی خاں ولا	۱۲۲۰ھ
۲۶۔	دہ مجلس	منشی محمد بخش	۱۲۱۹ھ
۲۷۔	ترجمہ تاریخ آسام	سید بہادر علی حسینی	۱۲۲۰ھ
۲۸۔	واقعات اکبری	محمد خلیل علی خاں[12]	۱۳۲۴ھ
۲۹۔	ضرب الامثال	......	......
۳۰۔	خوان نعمت	حمید الدین بہاری	یہ پکوان کے سلسلے میں ہے
۳۱۔	رسالہ راگ	......	یہ موسیقی کے سلسلے میں ہے
۳۲۔	سور ساگر	......	ایضاً
۳۳۔	رسالہ دربیان معدنیات	بابو شیب چندرا کرم کار	شیب چندر مکار، کمیسٹری کے استاد تھے اور یہ انھوں نے طلباء کے لیے لکھی تھی۔ یہ قلمی نسخہ ان کے ہاتھ ہی کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کتاب کے آخر میں درج ہے ''یہ کتاب تمام کیا، بابو شیب چندر کے مکار نے'' ماہ یکم مارچ ۱۸۴۱ء میں۔ آپ کی ایک اور تصنیف، قرابادین شیو چندری'' کے نام سے ہے۔

۳۴۔	دیوان درد	خواجہ میر درد	......
۳۵۔	دیوان ولی [۱۳]	شمس ولی اللہ ولی	۱۱۴۶ھ
۳۶۔	دیوان ولی	ایضاً	......
۳۷۔	دیوان ممنون [۱۴]	میر نظام الدین ممنون	۱۲۱۸ھ
۳۸۔	دیوان حسن	خواجہ ابراہیم حسن	۱۱۸۹ھ
۳۹۔	دیوان تجلی	میاں حاجی تجلی	......
۴۰۔	دیوان رند	رند	......
۴۱۔	دیوان واقف	واقف	۱۲۰۲ھ
۴۲۔	دیوان مخلص [۱۵]	مخلص	۱۲۱۶ھ
۴۳۔	دیوان انشاء	سید انشاء اللہ خان انشا	......
۴۴۔	دیوان مجرم	مجرم	......
۴۵۔	دیوان بقا [۱۶]	بقا اللہ خان بقا	......
۴۶۔	دیوان آبرو [۱۷]	شاہ مبارک آبرو	......
۴۷۔	دیوان سودا [۱۸]	محمد رفیع سودا	......
۴۸۔	دیوان افسوس [۱۹]	شیر علی افسوس	......
۴۹۔	دیوان افسوس	ایضاً	۱۸۷۱ء
۵۰۔	دیوان ولا [۲۰]	مظہر علی خان ولا	......
۵۱۔	دیوان محبت	نواب محبت خاں محبت	۱۱۹۷ھ
۵۲۔	دیوان یقین [۲۱]	انعام اللہ خاں یقین	......
۵۳۔	دیوان قدرت	شاہ قدرت اللہ قدرت	......
۵۴۔	دیوان ناجی [۲۲]	سید محمد شاکر ناجی	......
۵۵۔	دیوان احسن	محمد احسن	۱۲۲۸ھ
۵۶۔	دیوان جہاں [۲۳]	بینی نرائن	۱۲۲۷ھ
۵۷۔	دیوان سوز [۲۴]	سید محمد میر سوز	۱۲۱۶ھ
۵۸۔	دیوان کبیر	کبیر	......

۵۹۔	دیوان میر	میر محمد تقی میر	......
۶۰۔	دیوان آصف الدولہ	آصف الدولہ	......
۶۱۔	دیوان قائم مع مثنوی [۲۵]	قیام الدین قائم	۱۲۲۸ھ
۶۲۔	دیوان پروانہ	راجا جسونت سنگھ کا کاجی پروانہ	۱۲۲۸ھ۔ اوراق ۱۵۳ ہیں
۶۳۔	دیوان فدوی	سید فضل علی دہلوی	۱۲۲۸ھ
۶۴۔	دیوان شاہ علی گجراتی	شاہ علی گجراتی	......
۶۵۔	کلیات میر تقی [۲۶]	میر محمد تقی میر	۱۲۱۲ھ۔ چار جلدیں
۶۶۔	کلیات جرأت [۲۷]	شیخ قلندر بخش جرأت	......
۶۷۔	کلیات جعفر زٹلی [۲۸]	جعفر زٹلی	۱۲۰۶ھ
۶۸۔	قصائد مرزا محمد رفیع سودا	مرزا محمد رفیع سودا	......
۶۹	اکھراوتی [۲۹]	ملک محمد جائسی	مثنوی
۷۰۔	بھوک بل [۳۰]	شہاب الدین	ایضاً۔۱۰۸۲ء
۷۱۔	بہادر دانش منظوم	محمد اسمٰعیل تپش [۳۱]	ایضاً.....
۷۲۔	چشمہ فیض	میر معین الدین فیض	ایضاً ۱۲۱۹
۷۳۔	وہ مجلس منظوم	......	......
۷۴۔	فرس نامہ رنگین	سعدات یار خاں رنگین	......
۷۵۔	گلدستہ عشق	......	......
۷۶۔	گلشن عشق منظوم	نصرتی	۱۱۲۲ھ
۷۷۔	ہفت پیکر	سید حیدر بخش حیدری	......
۷۸۔	اضراب سلطانی	......	......
۷۹۔	جلوہ نامہ منظوم	غلام حسین خان لوہانی	۱۲۲۳ھ
۸۰۔	جنگ نامہ محمد حنیف	......	......
۸۱۔	مثنوی پھول بن ساقی	نشاطی [۳۲]	......
۸۲۔	مثنوی طوطی نامہ	مولانا غواصی	......

۸۳۔	منظوم اقدس	شاہ علم بہادر بادشاہ غازی	......
۸۴۔	مثنوی ساقی	......	......
۸۵۔	ساقی نامہ	نیاز	......
۸۶۔	مہدی بے نظیر	میر حسن نیاز	......
۸۷۔	مہدی بے نظیر	ایضاً	......
۸۸۔	مفرح القلوب	حسن علی عزت	۱۱۹۹ھ
۸۹۔	مفرح القلوب منظوم	ایضاً	ایضاً
۹۰۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً
۹۱۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً
۹۲۔	مفرح القلوب مجمل	......	......
۹۳۔	ایضاً	......	......
۹۴۔	ایضاً	.....	......
۹۵۔	پدماوت	......	......
۹۶۔	ایضاً	سید غلام علی عشرت ۲۵	۱۲۱۱ھ
۹۷۔	پوتھی سندر سنگار	......	اس کا ایک نسخہ نیشنل لائبریری کلکتہ میں بھی محفوظ ہے۔
۹۸۔	سندر سنگار منظوم	......	......
۹۹۔	قصہ بہرام وگل اندام	......	۱۰۸۱ھ
۱۰۰۔	قصہ ماہ وپیکر	......	یہ دکنی اردو میں ہے
۱۰۱۔	قصہ طوطی نامہ[۳۳]	حسرت	......
۱۰۲۔	رامائن	......	......
۱۰۳۔	رسالہ عقائد منظوم	امین الدین	......
۱۰۴۔	کتاب بھاگوت	......	۱۱۶۵ھ
۱۰۵۔	شاہ نامہ منظوم	منشی میر محمد حسین	۱۲۶۰ھ

۱۰۶۔ ترجمہ تحفہ شاہ ابوالحسین (منظوم) احمد فاروقی ۱۰۴۵ھ

۱۰۷۔ مجموعہ ....

۱۰۸۔ یوسف زلیخا سید محمد دین گوہر ۱۱۴۰ھ

۱۰۹۔ آرائش محفل[۳۴] شیر علی افسوس ۱۲۲۰ھ

۱۱۰۔ بہار عشق نور علی ولد سید نفر علی ۱۲۲۵ھ

۱۱۱۔ بحر عشق سید منصور ولی ابن سید امام بخش ۱۲۱۸ھ

۱۱۲۔ چار گلشن[۳۵] بنی نارائن لاہوری ......

۱۱۳۔ گلشن ہند باسط خاں متخلص بہ باسط ۱۸۰۳ء

۱۱۴۔ گلزار دانش[۳۶] سید حیدر بخش حیدری ۱۲۱۸ھ

۱۱۵۔ حُسن اختلاط میر ابوالقاسم خان ۱۲۱۵ھ

۱۱۶۔ حسن وعشق غلام حیدر عزت ۱۲۱۸ھ

۱۱۷۔ اخلاق ہندی[۳۷] میر بہادر علی حسینی ۱۲۱۵ھ

۱۱۸۔ جذب عشق[۳۸] حسین شاہ حقیقت ۱۲۱۶ھ

۱۱۹۔ خرد افروز[۳۹] حفیظ الدین احمد ۱۲۱۷ھ

۱۲۰۔ مذہب عشق[۴۰] نہال چند لاہوری ۱۲۱۷ھ۔ قصہ گل بکاولی

۱۲۱۔ منتخب الفوائد محمد خلیل علی خاں اشک ۱۲۲۶ھ

۱۲۲۔ نثر بے نظیر[۴۱] میر بہادر علی حسینی ۱۲۱۵ھ

۱۲۳۔ نوطرز مرصع[۴۲] قصہ چار درویش میر محمد عطا حسین خاں تحسین ......

۱۲۴۔ قصہ بلند اختر نور خان ......

۱۲۵۔ قصہ دل آرام ودلربا ....

۱۲۶۔ قصہ فیروز شاہ ۱۲۱۷ھ

۱۲۷۔ قصہ رضوان شاہ بادشاہ[۴۳] محمد خلیل علی خان اشک ۱۲۱۹ھ

۱۲۸۔ سنگاسن بتیسی کاظم علی متخلص بہ جواں ۱۲۱۵ھ

۱۲۹۔ سکتا ناٹک[۴۴] ایضاً ......

۱۳۰۔ ترجمہ انوار سہیلی محمد حسین ملا ......

۱۳۱۔	ترجمہ بیتال پچیسی [45]	مظہر علی خاں (ولا)	......
۱۳۲۔	ترجمہ ہفت گلشن [46]	ایضاً	۱۲۱۶ھ
۱۳۳۔	مجموعہ قصہ لال و گوہر	عزیز	آٹھ مختلف قصے
۱۳۴۔	بیاض	......	......

تھرڈ کلکشن

نمبر شمار	نام مخطوطہ	مصنف	کیفیت
۱۷۔	دیوان معروف [47]	نواب الٰہی بخش خاں	......
۴۹۔	نسخۂ نوطرز مرصع	حسین عطا خاں (تحسین)	......
۱۲۵۔	ذکر شہادتین	......	......
۱۳۲۔	تاریخ غریب	......	......
۱۶۳۔	ترجمہ بھگوت گیتا	......	......
۱۸۳۔	مثنوی بے نظیر [48]	......	۱۱۹۹ھ
۲۱۰۔	ترجمہ بہار دانش	......	......
۲۲۰۔	طوطی نامہ	—	ایک نسخہ سوسائٹی کلکشن میں بھی ہے
۲۴۴۔	قصہ حاتم طائی [49]	......	......
۴۱۶۔	قصہ ترکی	......	......
۴۱۷۔	مجموعہ	......	......
۴۱۸۔	حکایت عاشقین	......	......
۴۱۹۔	ترجمہ مختار نامہ	حاتم علی مہر	......
۴۲۰۔	تقویت الایمان	مولانا اسمٰعیل شہید	......
۴۲۱۔	تائید المسلمین	سید تصدق علی	......

۴۲۲۔ تفسیر سورۂ یٰسین	......	......
۴۲۳۔ مجموعہ رسائل در عقائد	......	......
۴۲۴ مجموعہ مناقب	......	......
۴۲۵۔ قصہ خسروان عجم [۵۰]	......	......
۴۲۶۔ پدماوت	......	اسی نام سے دو نسخے سوسائٹی گلگشن کے تحت آئے ہیں
۴۲۷۔ مجموعہ جگت پرکاش	......	کچھ حصہ ہندی میں اور کچھ فارسی میں ہے۔
۴۲۸۔ حدیقۂ ہندی	امین	......
۴۲۹۔ دیوان فدوی	فدوی	ایک نسخہ سوسائٹی گلگشن میں بھی ہے
۴۳۰۔ رامائن	......	ایضاً
۴۳۱۔ دیوان برق	برق لکھنوی	......
۴۳۲۔ دیوان مہر	مہر	
۴۳۳۔ دیوان احمد	احمد پسر فقیر محمد خاں گویا	
۴۳۴۔ کلیات جرأت	جرأت	اس کا ایک نسخہ سوسائٹی گلگشن میں بھی ہے
۴۳۵۔ بھاگوت پرکاس	......	.
۴۴۱۔ دیوان جرأت	جرأت	......
۴۵۱۔ قصائد سودا	سودا	......
۴۶۳۔ العوامل الشیخ	......	......
۴۷۹۔ رسالہ طب	......	......
۵۰۰۔ فرس نامہ	......	......

۵۷۴۔ شرع محمدی	محمد خاں	......
۷۵۵۔ باغ وبہار[51]	طپش	......
۷۶۰۔ تحفۃ العوام	......	......
۷۶۳۔ کلیات شاکر	شاکر	......
۷۶۶ مظاہر العجائب	......	......
۷۷۱۔ حسن وعشق	غلام حیدر	......
۷۷۸۔ ترجمہ یوسف وزلیخا	فگار	......
۷۹۳۔ مخمس نظیر	نظیر	......
۸۱۱۔ صنم خانہ	......	......
۸۲۵۔ چراغ ایمان	......	......
۸۳۷۔ مثنوی ناصر	ناصر	......
۸۸۶۔ مثنوی رنگین	رنگین	......
۹۱۱۔ دیوان صادق	صادق	......
۹۱۲ مجموعہ واسوخت	......	......
۹۱۳۔ قواعد اردو	......	......
۹۱۴۔ بیاض	......	......
۹۱۵۔ دیوان درد	میر درد	ایک نسخہ سوسائٹی کلکشن میں ہے
۹۶۶۔ دیوان جرأت	جرأت	......
۹۶۷۔ کلیات میر حسن	میر حسن	......
۹۶۹۔ کلیات سودا	سودا	......
۹۷۴۔ سوانح عمری ڈپٹی عبدالغفور[52]	عبدالغفور نساخ	
۹۷۷۔ مجموع الفوائد	......	......
۹۷۸۔ زبدۃ الخیال	مولوی عالم علی عظیم آبادی	......
۹۸۷۔ دیوان نثار	محمد یار خاں نثار	......

۹۹۱۔ بیاض	……	……
۹۹۶۔ کلیات میرتقی	میرتقی	……
۹۹۷۔ کلیات رفعت	رفعت	……
۹۹۸۔ دیوان راسخ عظیم آبادی[۵۳]	راسخ	……
۹۹۹۔ دیوان مخلص	مخلص	……
۱۰۰۲۔ لطیفہ	……	……
۱۰۰۷۔ دیوان حیدر	حیدر	……
۱۰۱۳۔ مجمع الانتخاب، تذکرۂ شعرا اردو[۵۴]	……	……
۱۰۱۴۔ دیوان فغاں[۵۵]	فغان	……
۱۰۱۵۔ بیاض	……	……
۱۰۲۰۔ اوراق مخزن التواریخ	……	……
۱۰۲۱۔ دیوان قمر	قمر	……
۱۰۲۲۔ دیوان فدوی	فدوی	ایک نسخہ سوسائٹی کلکشن میں ہے۔
۱۰۲۳۔ دیوان نصیر[۵۶]	نصیر	……
۱۰۸۵۔ قصیدہ جوبلی	……	……
۱۱۰۷۔ شجرۂ صرف	……	……
۱۱۰۹۔ تاریخ ہند	……	……
۱۱۱۰۔ دیوان شاداں	شاداں	……
۱۱۲۲۔ رسالہ درفقہ	……	……
۱۱۴۱۔ بدرمنیر[۵۷]	……	……
۱۱۶۸۔ دعا گنج العرش	……	……
۱۱۷۸۔ مثنوی میرحسن	میرحسن	……

~~~~~~~~
~~~~~~~~

نیشنل لائبریری کلکتہ کے اردو مخطوطات

نیشنل لائبریری ''کلکتہ'' آج ہندستان کا سب سے بڑا کتب خانہ ہے۔ انگریزوں کے عہد میں اس کا نام امپیریل لائبریری تھا اور یہ اسپلانڈ کے علاقے (ڈفنس بلڈنگ) میں تھی، جہاں آج صرف اس کا شعبۂ اخبارات ہے۔ آزادی کے بعد اسے علی پور کی عالی شان بلوے ڈیا بلڈنگ میں منتقل کردیا گیا اور یکم فروری ۱۹۵۳ء کو مولانا ابوالکلام آزاد نے، جو اُن دنوں حکومت ہند کے وزیر تعلیم تھے، اسے عوام کے لیے کھول دیا۔ اس کے بعد اس لائبریری نے کافی ترقی کی ہے اور ایک نئی دس منزلہ عمارت بھی تعمیر کی گئی لیکن آج بھی اس کتب خانے کے اردو مخطوطات کی کوئی فہرست مرتب کرکے شائع نہیں کی گئی ہے۔ ہاں حکومت نے ایک کام یہ کیا کہ ۱۹۵۸ء سے وہ قومی کتابیات کے عنوان سے سالانہ کتابیات کی ایک کتاب شائع کرنے لگی ہے جو ان تصانیف کی بنیاد پر شائع کی جاتی ہے جو ڈلیوری آف بکس اینڈ نیوز پیپرا یکٹ ۱۸۵۴ء کے تحت نیشنل لائبریری کو موصول ہوتی ہے۔ اس طرح اب تک ۱۹۸۱ء۔۱۹۸۲ء کی قومی کتابیات (شعبۂ اردو) شائع ہوچکی ہے۔

نیشنل لائبریری کے اُردو مخطوطات ''بوہار لائبریری'' یعنی کلکشن؛ زکریا کلکشن امپیریل لائبریری کلکشن اور پھر نیشنل لائبریری قائم ہونے کے بعد سے حاصل کیے ہوئے مخطوطات پر مشتمل ہیں لیکن مجموعی طور پر اس کتب خانے میں اردو مخطوطات بہت ہی کم ہیں۔ اب بوہار کلکشن میں ۵، زکریا کلکشن میں ۴، امپیریل کلکشن کے تحت ۷، اور نیشنل لائبریری کلکشن کے تحت ۴ مخطوطے محفوظ کیے جاسکے ہیں، جن کا ضروری ذکر ذیل میں کرتا ہوں:

بوہار کلکشن کے مخطوطات

''بوہار لائبریری'' کے بانی منشی سید صدر الدین احمد تھے جو پہلے نواب مرشد آباد، میر جعفر کے میر منشی اور بعد میں وارن ہیسٹنگز کے منشی رہے ہیں۔ آپ نے ۱۷۷۵ء میں کتب خانہ اسلامیہ کے نام سے بوہار ضلع بردوان میں ایک مدرسہ اور کتب خانہ قائم کیا تھا اور اگست ۱۹۰۴ء میں لارڈ کرزن کی درخواست پر آپ نے اپنا کتب خانہ امپیریل لائبریری یعنی موجودہ نیشنل لائبریری کو بطور عطیہ دے دیا۔ بوہار کلکشن کی فہرست کتب کے مطابق منشی صدر الدین احمد نے جو کتابیں دی تھیں، ان میں عربی مخطوطے ۴۶۸، فارسی ۴۸۳، ترکی ایک اور اردو کا ایک کے علاوہ چھپی ہوئی تصانیف میں عربی ۹۴۰، فارسی ۱۴۰۰ اور اردو کی ۱۴۰ کتابیں شامل تھیں لیکن یہ حساب کتاب درست نہیں ہے۔ چوں کہ فارسی مخطوطات کی فہرست میں ہم ایسی دو کتابیں پاتے ہیں جن میں سے ایک مکمل اردو کی ہے اور دوسری کا تقریباً نصف حصہ اردو ہے، لہٰذا میں نے اس کو اردو مخطوطات میں شامل کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے یہاں اردو کے تین ایسے مخطوطے ملے جن پر کتب خانہ اسلامیہ بوہار، ضلع بردوان کی مہریں ہیں۔ اس طرح نیشنل لائبریری کے بوہار سیکشن میں اردو مخطوطات کی تعداد پانچ ہو گئی ہے جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ دیوان فقیر محمد خان گویا، ۱۲۴۱ھ

مخطوطے پر کتب اسلامیہ بوہار ضلع بردوان ۱۳۰۶ھ کی مہر اور پھر امپیریل لائبریری کی مہر ۲۰ دسمبر ۱۹۰۴ء ثبت ہے۔ مخطوطے کا نام سرخ روشنائی میں ہے۔ لائبریری میں اس کا نمبر Class No .11A, Book No 4 ہے۔ سائز ۷ x ۹۱/۲، صفحات ۳۸۳، سطریں فی صفحہ دس۔ ابتدا: ''بہار میں ہوا۔ اگر ساقیا گلاب قلم''۔

صفحہ ۱۲ سے قصیدہ ''شاہ زمن، نصیر الدین حیدر بادشاہ غازی'' شروع ہوتا ہے۔ ابتدائی ایک غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

نہ اجل آئی نہ وہ یار آیا، یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
نہ وصل ہوا نہ وصال ہوا، یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
تاثیر نہ ہو جب ان میں خدا، روئے تو کیا تڑپے تو کیا

بجلی نہ گری طوفاں نہ اٹھا، یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

مخطوطہ خوش خط نستعلیق میں ہے اور اب تک اس کی حالت اچھی ہے۔ آخر میں درج ہے۔ ''بہ مقام کان پور بہ خط عاجز کم ترین منشی گنیش پرشاد، متوطن شاہ جہاں آباد''۔ شیخ امام بخش نے تاریخ کہی جو ۱۲۴۴ھ ہے۔

۲۔ دیوان جویا:

اس پر بھی کتب خانہ اسلامیہ، بوہار ضلع بردوان۔ ۱۳۰۶ھ اور پھر امپیریل لائبریری کی مہر ثبت ہے۔ کئی صفحات رنگین نقش و نگار کے ہیں۔ کتاب نستعلیق میں نہایت صاف اور خوب صورت ہے۔ سطریں فی صفحہ ۱۱۔ سائز ۴/۱ ۷x۱۲۔ شاعر کا تخلص سرخ روشنائی میں لکھا گیا ہے۔ ابتدا:

اور اب کوئی نہیں غم خوار یا میرے خدا

ایک تو ہی بے کسی میں یار میرے خدا

کتاب کا حوالہ نمبر Class No.11 A.B.C-Book No.13 ہے۔ آخر میں درج ہے: ''تمام شد کلیات محمد حسین علی خان المتخلص بہ جویا'' اور تاریخ ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۲۵۶ھ فصلی درج ہے۔ آخر میں چند قطعات تاریخ ہیں، ان کے مطابق یہ ۱۲۶۴ھ میں تمام ہوئی۔ اس میں حمد، قصیدے، غزلیں، واسوخت، مخمس، رباعیات، ٹھمریاں اور ہولیاں ہیں۔ پہلی ٹھمری ہے:

''تم تو ملت نہیں، من راکھن

پریم رس ہم کہاں سے چاکھن''

مخطوطے میں مختلف رنگ کے کاغذات ہیں۔ سفید، بادامی، ہلدی مائل، سیاہ اور نیلے آسمانی رنگ کے، سیاہ رنگ کے اوراق تقریباً سب پھٹ چکے ہیں، موجودہ تعداد میں اوراق ۱۷۶ ہیں۔

۳۔ دیوان فرحت:

اس کا حوالہ نمبر ۴۱۶ ہے۔ صفحہ اوّل پر انگریزی میں ایک ربڑ اسٹامپ Syed Safder Nawab کی ہے۔ اس میں فرحت کی غزلیں، قطعات اور رباعیات ہیں۔ اوراق ۶۳ ہیں اور فی صفحہ ۱۳ سطریں ہیں۔ سائز ۶x۲/۱ ۹۔ خطِ شکستہ، آخر کے صفحات کی حالت نہایت خراب ہے غالباً چند اوراق اور تھے۔ چوں کہ خاتمہ اور تاریخ کے صفحات نہیں ہیں۔ اس طرح یہ دیوان ایک نامکمل نسخہ ہے۔ ابتدا:

کیا حسن میں بیاں کروں اس بے حجاب کا

اور موجودہ حالت میں آخری شعر:

جاتا ہوں اب میں ہر شب گلی میں اس کے [کذا]

اس مدعی جاں سے الفت مجھے بجاں ہے

۴۔ کلیات عیشی:

اس پر کتب خانہ اسلامیہ، بوہار ضلع بردوان ۱۳۰۶ھ کے علاوہ ایک اور مہر ''افضل علی خان ابن نجف علی ۱۲۸۹ھ'' بھی ہے۔ اس کا حوالہ نمبر بوہار سیکشن کے تحت ۴۲۵ ہے۔ اوراق ۲۷۷ ہیں۔ فی صفحہ ۲۱ سطریں ہیں۔ سائز ۸ x ۱/۲ ۱/۲ ۱۳۔ یہ طالب علی خان عیشی لکھنوی بن علی بخش کی فارسی اردو کلیات ہے۔ اردو کا حصہ ورق نمبر ۱۰۲ سے شروع ہوتا ہے اور ابتدائی شعر ہے:

غم نہیں، ہو نہ اگر پاس مرے مال جہاں

واہب غیب نے دی طبع رواں، گنج رواں

اردو حصے میں قصیدے، غزلیں، مسدس، مخمس، مثنوی ''دربیان عاشق شدن برہمن زادہ'' اور ''مثنوی ہجر بقال''، پھر مرثیے اور قطعات ہیں۔ مخطوطہ خوش خط نستعلیق میں ہے اور سرخیاں سرخ روشنائی میں ہیں۔ کاتب کا نام لکھنے کے بجائے محمد علی کا دوست لکھا گیا ہے اور تاریخ ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۶ء درج ہے۔

۵۔ قصہ چہار درویش:

اس کا حوالہ نمبر B.C.11.B 21 ہے۔ اوراق ۱۳۵۔ سطریں فی صفحہ ۱۵۔ خط شکستہ۔ ابتدا: ''دیباچہ۔ ثنای خداوند ذوالجلال ایسا نہیں کہ لکھ سکے''۔ صفحہ تین پر مصنف نے اپنے سلسلے میں لکھا ہے: ''یہ عاجز ترین خلق اللہ میر حسین عطا خاں متخلص بہ تحسین..... بعد رحلت والا بزرگوار حضرت میر باقر خاں صاحب متخلص بہ شوق۔'' صفحہ ۲۱ سے اصل قصہ یوں شروع ہوا: ''بیچ سرزمین فردوس امین، ولایت روم کے ایک بادشاہ تھا، سلیمان قدر فریدوں۔''

کتابت کالی روشنائی کی اور سرخیاں سرخ روشنائی کی ہے۔ آخر کے چند اوراق کرم خوردہ ہیں۔ خاتمہ میں ''ماہ فروری ۱۸۴۹ء مطابق ماہ ماگھ ۱۳۳۰ فصلی'' اور کاتب کا نام نجیب سنگھ درج ہے۔

مخطوطات زکریا کلکشن

۱۔ قصہ رضوان شاہ:

اس قصے کے مصنف خلیل علی خاں ہیں۔ صفحات ۲۱۸۔ سطریں فی صفحہ ۹، سائز ۲/۱-۴x ۷۔ لائبریری میں حوالہ نمبر ۱۵۸۔ مخطوطے کی حالت خراب ہے، ہر صفحہ کرم خوردہ ہے ۔ابتدا: ''عشق ہی اس کلاں صنعت گر کو کہ جس نے طرف خلقت آدم، تییَں، اربع عناصر سے بنایا اور عدم سے وجود میں لایا پھر سب سے فوقیت دے کر فلک الافلک پر پہنچایا اور اشرف المخلوقات فرمایا۔ سبحان اللہ! کیا دستِ قدرت ہے کہ جس نے ایک کن سے تمام کائنات کو ظاہر کیا ہے:

کوئی پہچان کب سکے اس کو

ہے نہاں اور سب جگہ ظاہر

صفحہ چار پر سبب تالیف یوں بیان کیا ہے:

''سنہ ہجری ۱۲۱۹ اور ۱۸۰۴ ہے۔ اس بے نام ونشان خلیل علی خاں نے، جس کا تخلص اشک مشہور ہے، اس قصے کو..... (القاب ہیں) مسٹر مارونٹ کٹس صاحب دام دولتہ کی خاطر زبان اردو معلیٰ کے تیار کیا کہ اس کے مطالعہ فرمانے سے طبیعت کو فرحت حاصل ہو۔''

مصنف نے عام فہم زبان میں قصّے کو قلم بند کیا ہے پھر بھی صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں: ''اس کتاب میں کوئی لفظ مشکل نکلے کہ اس کے معنی حل نہ ہو سکتے ہوں تو ملوک الکلام، دل آرام، مجمع البحرین، شاعر زمان یعنی مرزا کاظم علی جواں، کہ سرکار میں کمپنی بہادر دام اقبالہ، کے متعلق ہیں چناں چہ گلستان روزگار میں زبان خلق گل کی مانند اس طوطی گزار معانی کی تعریف میں انسب ہے کہ ان سے وہ کلمہ دریافت ہو۔''

صفحہ نمبر ۷ سے قصہ اس عنوان سے شروع ہوتا ہے:

''شروع قصہ رضوان شاہ بادشاہ چین وروح افزا پری زادہ دختر شاہ چین''۔ نو باب میں یہ قصہ قلم بند ہوا ہے۔ تاریخ یوں ہے: ''۹ ذی الحجہ ۱۲۵۶ھ مطابق ۲۴ ماہ ماگھ ۱۲۳۲ بنگلہ موافق ۲ فروری ۱۸۴۱ء روز سہ شنبہ، بمقام تھانہ گلنگا، شہر کلکتہ۔''

کتاب کے آخر میں درج ہے کہ اس نسخہ کے مالک ''عبدالواحد ابوالمختار، ساکن سالار، متعلقہ ضلع مرشد آباد'' ہیں۔ سوسائٹی کلکشن، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں بھی قصہ رضوان شاہ ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

۲۔ قیامت نامہ:

حوالہ نمبر ۱۶۰۔ سطریں فی صفحہ ۱۱۔ سائز ۷'' x ۲ ۱/۱ ۹۔

ابتداء: ''لطف اور احسان اس رب الناس کا بے حد و بے قیاس ہے کہ جس نے .....''

اور خاتمہ: ''تمام شد۔ کتاب برکت انتساب قیامت نامہ را، مولانا رفیع الدین مغفور دہلوی، از فارسی بہ زبان اردو ترجمہ کر + ب اس ۱۲۰۰ھ اور بنگلہ ۱۲۵۰..... دن گیارہ کے وقت میں احقر العباد نے کمال شوق سے لکھ کر تمام کیا۔''

۳۔ چار گلشن موسوم بہ بہار عشق یعنی قصہ گل و صنوبر:

مصنف بینی نرائن:

''خداوندا! وہ دل دے مجھ کو پرجوش
کروں میں اپنے تئیں آپ ہی فراموش
وہ دل دے جس سے آتش آب ہووے
تری خواہش میں جوں سیماب ہووے''

لائبریری میں اس مخطوطے کا حوالہ نمبر ۱۵۷ ہے۔ سائز ۷'' x ۲ ۱/۱ ۹''۔ جملہ صفحات ۲۱۱۔ خط شکستہ اور نہایت خراب۔ صفحات بیشتر کرم خوردہ۔ غالباً یہ کسی ایک کاتب کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ صفحہ نمبر ۱۱ تک فی صفحہ ۱۴ سطریں اور اس کے بعد ۱۳ سطریں ہیں۔ مقام ضلع مرشد آباد اور بنگلہ سنہ ۱۲۴۱، چہار شنبہ پڑھا جا سکتا ہے۔ بنگلہ ۱۲۴۱ مطابق ۱۸۳۴ء کے ہوتا ہے۔

۴۔ تنبیہہ الغافلین:

کتاب کی حالت اتنی خراب ہے کہ کچھ پڑھنا دوبھر ہے۔ خط شکستہ۔ سطریں ۱۳۔ صفحات ۲۰۷۔ یہ بینی نرائن کی تصنیف ہے، جسے انھوں نے شاہ رفیع الدین کی فارسی تصنیف سے ترجمہ کیا ہے۔

امپیریل لائبریری کلکشن

یہ وہ کتابیں (قلمی) ہیں جو ان دنوں حاصل کی گئیں جب نیشنل لائبریری کا نام امپیریل لائبریری تھا۔

ا۔ مغل اور اُردو:

اس کا حوالہ نمبر ۱۳۳۰ اور تاریخ ۲۷ جون ۱۹۲۳ء درج ہے۔ حالاں کہ نواب سید نصیر حسین خاں خیال ولد نواب سید نوروز حسین خاں عظیم آبادی کی یہ تصنیف مئی ۱۹۳۳ء میں کلکتہ سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود یہ مخطوطہ نہایت اہم ہے۔ چوں کہ یہ مصنف کا اصل مسودہ ہے اور اسے دیکھ کر ہم یہ جان سکتے ہیں کہ نوالف خیال نہایت خوش خط لکھا کرتے تھے اور پھر یہ بھی کہ مسودے کو اشاعت کے لیے صاف کرتے وقت انھوں نے کیا کیا ردّ و بدل کیا ہے، ترمیم و اضافہ کیا ہے۔ اس مسودے کے اوراق ۸۹ ہیں اور مختلف سائز کے کاغذات ہیں۔ کہیں کہیں ورق کے دونوں جانب اور کہیں کہیں حاشیے پر بھی لکھا گیا ہے۔ سیاہی کے علاوہ چند صفحات پنسل سے لکھے ہوئے ہیں اور پنسل کی تحریر بھی صاف ہے۔ نواب خیال نے امپیریل لائبریری کو یہ مسودہ پیش کرتے ہوئے جو نوٹ لکھا اس سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ اُنھوں نے لکھا:

''۱۹۱۶ء کے دسمبر میں، بمقام لکھنؤ مجھے آج انڈیا اردو کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں صدارت کا موقع ملا تھا۔ اس جلسے کے لیے جو ایڈریس لکھا گیا، وہ بے حد مقبول ہوا۔ اس کے بعد مجھ پر برابر تقاضا ہوتا رہا کہ اس خِطبے پر جو حقیقتاً اردو کی ایک تاریخ ہے، نظرِ ثانی کر کے اسے بہ صورت کتاب شائع کر دوں لیکن عرصے تک مجھے اس کا موقع نہ مل سکا۔ آخر اس کی ترتیب کا خیال آیا اور اضافوں کے ساتھ اس کے چند باب قلم بند ہو گئے۔ بعض رسالوں میں وہ شائع بھی ہوئے اور بہت پسند کیے گئے۔ یہ چیز اب بہت آگے بڑھ گئی اور اس کا نام ''داستان اردو'' رکھا گیا ہے۔

اسی لیے کہ حقیقتاً یہ اردو کی ہزار سالہ تاریخ اور اس کی ایک دلچسپ کہانی ہے، اسی سلسلے میں ''مغل اور اردو'' کا باب تحریر کیا گیا ہے۔ اسے سن کر احباب کا اصرار ہوا کہ قبل اس کے کہ ''داستان اردو'' مکمل ہو کر شائع ہو، اس باب کو فوراً اہلِ ذوق کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ شفیقی مولانا شائق احمد صاحب عثمانی نے دوستوں کے اس تقاضے میں ان کا ساتھ دیا اور آخر اپنے عصر جدید پریس، کلکتہ میں بہ سلیقگی اسے چھاپ کر بھی شائع کر دیا ہے۔

''مغل اور اردو'' کا مسودہ ہمارے پاس تھا۔ اس ملک کا گو یہ دستور نہیں کہ کسی مصنف کی کوئی تحریر محفوظ کر دی جائے مگر حبیب مکرم جناب محمد اسد اللہ صاحب، لائبریرین نقطہ امپیریل لائبریری، کلکتہ کی فرمایش ہوئی کہ یہ مسودہ کتب خانہ میں بحفاظت رکھ دیا جائے کہ اس وقت اور آیندہ شوقینوں کو ہماری تحریر اور اس مسودے میں اصلاح و ترمیم کے دیکھنے کا موقع مل سکے اور اب وہ دلبری [لائبریری] کے نذر کر دیا جاتا ہے۔

مسودوں کو صاف کرنے کی ہماری عادت نہیں، میں قلم برداشتہ لکھا کرتا اور نظرِ ثانی کے وقت اس میں اصلاح ہو جاتی ہے۔ اس ''مغل اور اردو'' کی بھی یہی حالت ہے، اس کی کوئی اور نقل نہیں ہے۔ یہی مسودہ اور یہی اصل.....کلکتہ۔ جون ۱۹۳۳ء۔ خیال۔''

اس مسودے کے آخری صفحے پر خاتمہ کے بعد نواب خیال نے لکھا:

یہ باب ''مغل اور اردو'' چوتھی جنوری ۱۹۳۳ء سے لکھنا شروع ہوا اور ۲۵ فروری ۱۹۳۳ء کو ختم ہوا۔ اس میں بابر بادشاہ ۱۵۲۶ء سے بہادر شاہ ظفر (ثانی۔ ۱۸۵۹ء) تک کے واقعات اردو کی تدریجی ترقی کا حال درج کیا گیا۔ خیال بقلم خود (سید نصیر حسین خیال) کلکتہ۔ ۱۹۳۳ء''۔ ان الفاظ کے نیچے شائق احمد عثمانی پبلشر ''مغل اور اردو'' کی تحریر یوں درج ہے:

> ''جناب نواب صاحب.....کی خصوصی عنایت و مخلص نوازی کا شکریہ، جس نے مجھے توفیق دی کہ میں مارچ اور اپریل ۱۹۳۳ء میں اس نایاب روزگار کتاب کو بہ عجلت تمام چھاپ کر، ملک کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہوا۔'' اس تحریر کی تاریخ پنسل سے ''۲ جون ۱۹۳۳ء۔''

شائق احمد عثمانی نہایت مصروف آدمی تھے۔ وہ ان دنوں کلکتہ مسلم لیگ کے ایک ستون تھے اور اس دور کے کثیر الاشاعت روزنامے عصر جدید کلکتہ کے مالک و مدیر تھے۔ لہٰذا اپنی مصروفیت کی وجہ سے غالباً وہ بھول گئے کہ ''مغل اور اردو''، جس کو انھوں نے کتابی شکل میں شائع

کیا اور پیش لفظ میں نواب خیال کے حالات زندگی کو ''مختصر سوانح ادیب الملک'' کے عنوان سے قلم بند کیا، اس میں انھوں نے تاریخ ''مئی ۱۹۳۳ء۔کلکتہ'' درج کی ہے۔لہٰذا اس مسودے پر انھوں نے جو''مارچ ۱۹۳۳ء میں اسے چھاپ کر ملک کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہوا'' لکھا ہے، وہ درست نہیں ہے، ہاں اتنا درست ہے کہ یہ کام بہ عجلت تمام ہوا۔ چوں کہ ''مغل اور اردو'' کے آخری صفحے پر بھی درج ہے، ''مغل اور اردو'' ایک مہینے سے بھی کم مدت میں دن رات کی مسلسل محنت سے تیار ہوکر آج قدر دانوں کے ہاتھوں میں ہے۔''

۲۔ ماہ پیکر:

اس مخطوطے کا حوالہ نمبر Class 1 A,Book No.15a ہے۔سائز ''۵ x ''۹ سطریں فی صفحہ ۱۷، اوراق ۸۱، صفحات کرم خوردہ ہیں اور کئی صفحات کھل کر الگ الگ ہوگئے ہیں۔ خط شکستہ حاشیے پر بھی بعض اشعار ہیں۔ یہ ۱۰۶۴ھ کی تصنیف ہے۔ابتدا:

الٰہی توں سبحان سلطان ہے
کریما [کذا]، غفار، رحمان ہے

آخری شعر:

درود مصطفیٰؐ پر ہزاروں مدام
ہوا ختم الحمد سوں یوں کلام

اس کا ایک نسخہ (قلمی) سوسائٹی کلکشن ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ میں بھی ہے۔

۳۔ طاعون کا پورا دفعیہ:

یہ انگریزی اور اردو مخطوطہ ہے۔امپیریل لائبریری کی مہر ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء کی ہے اور اس کا حوالہ نمبر Class,No.DTTD-Book No.36B ہے۔اس کے اردو صفحات ۲۸ ہیں جو مصنف کے قلم سے ہیں۔ دراصل یہ مصنف ہی کا مسودہ ہے اور مصنف نے ہی اسے اردو اور انگریزی میں لکھا ہے۔انگریزی صفحات ۴۳ ہیں۔اس کے علاوہ تین صفحات پر نقشے ہیں، نقشوں میں بتایا گیا ہے کہ کمروں کو کیسے صاف اور ہوادار رکھا جائے اور روشنی کا انتظام کیسا ہو۔آخر میں درج ہے:

''راقم نیاز مند نبی بخش نایاب، متوطن قصبہ نکودر ضلع جالندھر، پنجاب، بقلم خود۔ مورخہ یکم فروری ۱۹۰۸ء''۔ دوسرے صفحے پر ''ضروری گزارش'' کے تحت کہا گیا ہے: ''رسالہ ہذا..... مورخہ ۲۴

جنوری ۱۹۰۸ء، جو پیش تر بحضور عالی جناب .....(القاب ہیں) وائسرائے وگورنر جنرل بہادر ہندستان ارسال ہو چکی ہے..... آخر تک بغور پڑھا جاوے۔''

ابتدائی تین صفحات پر صفحہ نمبر نہیں ہیں اور اصل مضمون صفحہ چار سے شروع ہوا ہے، جس کے لیے اس صفحے کو صفحہ نمبر ایک قرار دیا گیا۔ اس رسالے کو ۳۸ سرخیوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی سرخی: ''طاعون یا پلیگ کسے کہتے ہیں'' دوسری سرخی: ''طاعون نمودار ہونے سے پہلے چوہے کیوں مرتے ہیں'' اور آخری سرخی: ''دریچوں اور ہوادانوں کی ''ساخت اور نگرانی'' ہے۔

میرے علم کے مطابق یہ رسالہ کبھی شائع نہیں ہوا اور چوں کہ یہ مصنف کا مسودہ ہے، لہٰذا اس کی کوئی نقل کہیں اور نہیں ہے۔

۴۔ مخزون دستور الہنڈ ویات:

اس مخطوطے پر امپیریل لائبریری کی مہر ۸ اگست ۱۹۳۸ء کی ہے اور اس کا نمبر Class No. 11 TTC, Book No. 13 ہے۔ مصنف نانک چند۔ صفحات ۴۶۔ سائز ۵x۸۔ سطریں فی صفحہ ۹۔ سرخیاں سرخ روشنائی کی ہیں۔ خط نستعلیق۔ ابتدائی چند صفحات کے حاشیے سنہری روشنائی کے ہیں اور نقش ونگار بھی۔ مصنف نے اسے کرنل گری کرافٹ صاحب بہادر کمشنر دہلی کو پیش کیا تھا۔ صفحہ ۹ پر مصنف اپنے سلسلے میں لکھتا ہے:

''نانک چند، قوم اگروال، طریقہ بیشنو، پیشہ ہنڈوی وال، آباء واجداد سے رئیس قدیم شہر فرخندہ، پھر دہلی۔''

سبب تالیف کے تحت لکھا گیا ہے۔: ''ابتدا سے کوئی کتاب مشتمل اوپر قواعد ومحاورہ جملہ مراتب ہنڈویات ساہوکارہ مرتب نہیں ہوئی تھی۔ کیوں کہ یہ علم ہمیشہ بہ سینہ رہا اور کسی نے اس کو شائع نہ کرنا چاہا۔'' آخر میں تاریخ ۲۵ ماہ ستمبر ۱۸۷۴ء درج ہے۔ غالباً یہ مخطوطہ بھی شائع نہیں ہوا اور اس کی کوئی نقل کسی اور جگہ نہیں ہے۔

۵۔ کلیلہ ودمنہ:

مخطوطے پر کلکتہ پبلک لائبریری اور پھر امپیریل لائبریری کی مہریں ہیں۔ امپیریل لائبریری کی مہر ۹ ستمبر ۱۹۳۸ء کی ہے۔ کتاب کا حوالہ نمبر ۳۱۳ ہے۔ موجودہ صفحات ۶۱۸۔ سائز ۱/۲ ۹x۵۔ سطریں فی صفحہ ۹۔ اس میں مختلف حکایات ہیں لیکن یہ نامکمل نسخہ ہے۔ آخری صفحات نہیں

ہیں۔

۶۔ ترجمہ الیقین:

یہ بھی ایک نامکمل مخطوطہ ہے۔ موجودہ اوراق ۲۸۸ ہیں۔ صفحات کرم خوردہ ہیں۔ خط شکستہ۔ مصنف جعفر شاہ بن قمر الدین لکھتا ہے کہ: ''یہ کتاب جاہل شیعوں کے واسطے ترجمہ کیا گیا تا کہ یہ فوائد عوام ہو کہ ہر ایک مومن کو فائدہ ہووے۔''

۷۔ تفسیر اردو منظوم:

اس پر امپیریل لائبریری کی پہلی مہر ۴ اپریل ۱۹۰۳ء کی ہے۔ مخطوطے کا حوالہ نمبر I.C-18 ہے۔ خط شکستہ۔ سائز ۱/۲ ۵x۹۔ سطریں فی صفحہ ۱۷۔ حالت نہایت خراب اور کرم خوردہ۔ صفحات ۴۹۱۔ مصنف نے اسے ۱۲۳۷ھ میں تمام کیا۔ ابتدا:

پہلے میں لیتا ہوں نام اللہ کا
کہ یہی شیوہ ہے اہلِ اللہ کا

صفحہ نمبر ۴۸۹ پر مصنف نے اپنا نام یوں لکھا ہے:

اور غلام مرتضٰی ہے میرا نام
میں غلامی میں رہوں حاضر مدام

نیشنل لائبریری کلکشن

آزادی کے بعد امپیریل لائبریری، نیشنل لائبریری میں بدل گئی اور اس میں بے شمار کتابوں کا اضافہ ہوا (ہر زبان کی کتابوں کا)۔ اردو قلمی تصانیف میں جو اضافہ ہوا وہ ''نیشنل لائبریری کلکشن'' کے تحت آتے ہیں، جو کہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ ''ست سیسا، بہاری لال''..... ''پوتھی نام مالا''..... ''راگ مالا''
''پوتھی سندر سنگار''..... ''پوتھی انیک ارتھ''..... ''گیان لہر''..... ''راجہ بیربر''

یہ سب پوتھیاں (مخطوطے) ایک ساتھ مجلد ہیں اور ان سب کے مصنف ہیں بدھ ونت۔ سائز ۱۲ ۱/۲ x ۷ ۱/۲۔ ان میں درج ہے..... ''بہ دستخط بندۂ قمرالدین ولد حافظ الدین، ساکن قصبہ جالندھر۔'' غالباً شیخ قمرالدین نے خود اپنے لیے ان سب پوتھیوں کو نقل کیا تھا۔ انھوں نے کتابت، کاغذ وغیرہ پر کوئی خاص دھیان نہیں دیا۔ لہٰذا کتابت ہی نہیں بلکہ کاغذ بھی مختلف رنگ اور مختلف سائز کے ہیں۔ ''ست سیسا'' کے صفحات ۵۴ ہیں۔ ''نام مالا'' کے ۱۶، جس میں مختلف دیوتاؤں کے نام جپ شامل ہیں۔ ''راگ مالا'' جس میں کئی راگوں کے نام اور ان کی خصوصیت کا بیان ہے، کے صفحات بھی ۱۶ ہیں۔ ''دوہرے گیت'' اور ''راجہ بیربر'' اور ''قصہ درپدی رانی'' یہ تینوں ایک صفحے پر ہیں جو فارسی میں ہیں۔ دیگر تمام پوتھیوں کی زبان ہندی ہے اور رسم خط اُردو۔ شیخ قمرالدین نے اشعار کے اوپر، نیچے یا حاشیے میں، جہاں کہیں لکھنے کو جگہ ملی ہے، وہیں مشکل سنسکرت آمیز ہندی الفاظ کے معنی اردو میں درج کیے ہیں۔ (غالباً ایسا انھوں نے اپنے لیے ہی کیا تھا)۔ اس مخطوطے پر ۱۲۸۳ھ کا سنہ درج ہے۔

۲۔ کتاب عقائد وقصہ حاتم طائی:

یہ اس مخطوطے کا درست نام ہے بھی یا نہیں، کہنا مشکل ہے کہ چوں کہ اس مخطوطے کا نہ پہلا ورق ہے اور نہ ہی آخر کے صفحات۔ یعنی ایک نامکمل مخطوطہ ہے۔ خط شکستہ۔ صفحات بے حد کرم خوردہ اور تقریباً تمام ہی کھل کر الگ الگ ہو چکے ہیں۔ لائبریری میں اسے کاغذ سے لپیٹ کر باندھ رکھا گیا ہے اور اس پر مذکورہ نام کتاب تحریر ہے۔ لہٰذا میں نے وہی نام نوٹ کرلیا۔ سائز ''۱/۲ ۵x۹۔ اوراق ۸۲۔ لائبریری میں مخطوطے کا نمبر Acc No.246 ہے۔ ابتدا سے ورق ۳۳ تک، فی صفحہ ۷ اسطریں اور اس کے بعد ۱۳ اسطریں ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ایک کاتب کا لکھا ہوا نہیں ہے کیوں کہ خط میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ ابتدا:

فرشتے و جنات، آدم سبھی
تری اک صفت لکھ سکیں نہ کبھی

آخری شعر:

محمد ﷺ ہے خدا کا خاص محبوب
محمد ﷺ ہے بڑا اللہ کا مطلوب

۳۔ دیوان نصیر الدین [۵۸]

لائبریری میں اس مخطوطے کا حوالہ نمبر Acc No.884 ہے اور مہر کی تاریخ ۱۱ مارچ ۱۹۷۶ء۔ اوراق ۴۹۱۔ سطریں فی صفحہ ۷ اسائز ''۶x ۱/۲ ۱۱''۔ سرورق نہیں ہے۔ صفحات بھی کھل گئے ہیں۔ اسے بھی کاغذ میں لپیٹ کر باندھ رکھا گیا ہے، غالباً جلد سازی کے لیے۔ یہ دیوان بھی نامکمل ہے۔ خط شکستہ اور بیش تر صفحات کرم خوردہ۔ مصنف شاہ نصیر الدین کو اپنے کلام پر فخر رہا ہے۔ صفحہ ۶ پر یہ شعر درج ہے:

نصیر کیوں نہ ہو تو بادشاہ ملک سخن
کہ اس غزل کو سن کے دنگ میر ہوا [کذا] [۶۰]

آخری شعر ہے:

''درویش نہ سمجھو مجھے، ہوں بادشہ وقت
کچھ مال نہیں، دولت قاروں مرے آگے''

۴۔ نرملا گرنتھ:

یہ من سکھ رام کی تصنیف ہے۔ اس کا لائبریری حوالہ نمبر Acc.822 ہے۔ صفحات ۳۰۲۔ اس پر نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی کے شعبہ فارسی کی مہر ۳ ستمبر ۱۹۵۷ء اور نمبر ۳۶۸ ہے۔ نیشنل لائبریری کی مہر ۱۱ مارچ ۱۹۷۶ء کی ہے۔ خط شکستہ اور نہایت ہی خراب۔ سطریں فی صفحہ ۱۵۔ یہ مخطوطہ دو حصوں میں ہے پہلا حصہ ۱۸۲۶ء اور دوسرا حصہ ۱۸۲۷ء میں مکمل ہوا۔ اس کتاب کی زبان ہندی اور رسم خط اردو ہے۔

حواشی

ڈاکٹر رفاقت علی شاہد

۱۔ ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں محفوظ اردو مطبوعات کی فہرست سازی کا کام شروع ہو چکا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی جلد ایشیا ٹک سوسائٹی، کلکتہ کے اہتمام ہی سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ رسالہ ورفقہ

۳۔ اس فہرست میں جن مخطوطات کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے بعض کا تعلق فورٹ ولیم کالج کے منشیوں کی تصانیف وتالیفات سے ہے۔ ان کتابوں اور ان کی مولفین سے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے درج ذیل ماخذوں سے رجوع کیا جاسکتا ہے:

(الف) فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات۔ از ڈاکٹر عبیدہ بیگم۔ غازی پور (بھارت) ۱۹۸۳ء۔

(ب) بنگال کا اردو ادب (انیسوی صدی میں)۔ از ڈاکٹر جاوید نہال۔ عثمانیہ بک ڈپو، کلکتہ۔ ۱۹۸۴ء۔

(ج) انیسویں صدی میں اردو کے تصنیفی ادارے۔ از ڈاکٹر سمیع اللہ۔ فیض آباد۔ اکتوبر ۱۹۸۸ء۔

(د) ارباب نثر اردو۔ از سید محمد۔ مکتبہ معین الادب، لاہور۔ ۱۹۵۵ء۔

(ہ) اردو کی نثری داستانیں۔ از ڈاکٹر گیان چند جین۔ اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ۔ ۱۹۸۷ء۔

(و) فورٹ ولیم کالج تحریک اور تاریخ۔ از سید وقار عظیم۔ مرتب ڈاکٹر سید معین الرحمن، یونیورسل بک، لاہور، نومبر ۱۹۸۶ء۔

۴۔ یہ تذکرہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کی ترتیب سے اور لطف کے "گلشن ہند" کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن۔ مطبوعہ مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء، بار اول، اس کے علاوہ کلیم الدین احمد نے بھی اسے مرتب کیا جو پٹنہ سے شائع ہوا۔

۵۔ یہ تذکرہ "تذکرہ گردیزی" کے نام سے بھی معروف ہے۔ اسے ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے مرتب کر کے انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن) سے ۱۹۳۳ء میں شائع کیا۔ بعدازاں ڈاکٹر حیدری کاشمیری نے اسے مرتب کیا جو اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔

۶۔ مرتب فہرست نے واضح نہیں کیا کہ یہ مصحفی کے کس تذکرے کا قلمی نسخہ ہے۔ مصحفی نے درج ذیل تذکرے مرتب کیے: عقد ثریا، مرتب ڈاکٹر مولوی عبدالحق۔ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن)۔ طبع اول، ۱۹۳۴ء طبع دوم: انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی۔ ۱۹۷۸ء۔

(ب) تذکرہ ہندی۔ مرتب ایضاً۔ ناشر ایضاً۔ ۱۹۳۳ء۔ طبع دوم: عکس نسخہ مذکورہ اول۔ اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ۔ ۱۹۷۵ء۔ طبع سوم: مرتب ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری..... محمدی پبلشرز لکھنؤ۔ ۱۹۸۰ء۔

(ج) ریاض الفصحا۔ مرتب ایضاً۔ ناشر ایضاً۔ ۱۹۳۴ء/ طبع دوم: عکس نسخہ مذکور۔ ناشر ایضاً۔ ۱۹۸۵ء/

۷۔ آرایشِ محفل کا دوسرا نام قصہ حاتم طائی بھی ہے۔ میر شیر علی افسوس کی ایک کتاب کا نام بھی آرایشِ محفل ہے، لیکن اس کا موضوع تاریخ ہندستان ہے۔ حیدری کی آرایشِ محفل کی جدید اشاعتیں درج ذیل ہیں:

(الف) آرایشِ محفل۔ مرتب ڈاکٹر محمد اسلم قریشی۔ مجلس ترقی ادب لاہور۔ اشاعت اول ۱۹۶۴ء۔

(ب) قصہ حاتم طائی۔ مرتب اطہر پرویز۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی۔ فروری ۱۹۷۲ء۔

۸۔ یہ مظہر علی خاں ولا ہیں۔

۹۔ یہ کتاب "تاریخ شیر شاہی" کے نام سے سلیمان اکیڈمی، کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔ مرتب ڈاکٹر سید معین الحق۔ سال اشاعت ۱۹۶۳ء۔

۱۰۔ یہ فورٹ ولیم کالج کے معروف منشی خلیل علی خاں اشک ہیں جو داستان امیر حمزہ کے مولف کے طور پر زیادہ جانے جاتے ہیں۔

۱۱۔ مستند ماخذوں میں ولی کا نام "ولی محمد" یا "محمد ولی" ملتا ہے، شمس ولی اللہ نہیں دیکھیے:

(الف) کلیات ولی۔ مدون ڈاکٹر سید نور الحسن ہاشمی۔ "مقدمہ" ص ۳۹، ۴۰۔

(ب) مضامین اختر جونا گڑھی۔ (مضمون "ولی گجراتی") از قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی۔

انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی۔ اشاعتِ اول، ۱۹۸۹ء۔

۱۲۔ ممنون کا کلیات ڈاکٹر صدیقہ ارمان نے مرتب کیا جو ۱۹۹۶ء میں الوقار پبلشرز، لاہور کے اہتمام سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۳۔ یہ آنند رام مخلص کا دیوان ہے، مخلص مرشد آبادی کسی اور مخلص کی وضاحت ضروری تھی۔

۱۴۔ بقاء اللہ بقا اکبر آبادی کا کم یاب دیوان، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کے مقدمے کے ساتھ شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی سے شائع ہو چکا ہے (سنہ ندارد)۔ اگر مطبوعہ دیوان والے بقا یہی ہیں تو یہ نسخہ نہایت درجہ اہم ہے کیوں کہ مطبوعہ دیوان بقا، ذخیرہ اشپرنگر کے نسخے سے ترتیب دیا گیا ہے اور مقدمہ نگار نے کہیں بھی ایشیاٹک سوسائٹی کے کسی نسخے کی موجودگی کا ذکر نہیں کیا۔

۱۵۔ نسخۂ مطبوعہ، مرتب ڈاکٹر محمد حسن۔ اشاعت اول ۱۹۶۳ء۔ اشاعتِ دوم ۱۹۶۴ء، دہلی۔ اشاعت سوم: ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء۔

۱۶۔ سودا کا کلیات شائع ہو چکا ہے۔ مرتب ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی۔ مجلس ترقی ادب، لاہور۔ جلد اول: غزلیات، جنوری ۱۹۷۳ء۔ جلد دوم۔: قصائد، ستمبر ۱۹۷۲ء۔ جلد سوم: مثنویات، جون ۱۹۸۴ء۔ جلد چہارم: بقیہ اضاف، مارچ ۱۹۸۷ء۔ یہ سودا کے کلام کی اب تک مستند ترین اشاعت ہے۔

۱۷۔ کلیات افسوس شائع ہو چکا ہے۔ مرتب ڈاکٹر ظہیر احسن، پٹنہ

۱۸۔ دیوان ولا، ڈاکٹر عبادت بریلوی کی ترتیب سے پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ ادارۂ ادب وتنقید لاہور، دسمبر ۱۹۸۳ء۔

۱۹۔ دیوان یقین، مرتب ڈاکٹر فرحت فاطمہ۔ انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی۔ اشاعت اول، ۱۹۹۵ء۔

۲۰۔ دیوان شاکر ناجی کی درج ذیل اشاعتیں منظر عام پر آئی ہیں:
(الف) مرتب ڈاکٹر فضل الحق۔ ادارۂ صبح ادب، دہلی ۱۹۶۵ء۔
(ب) مرتب ڈاکٹر افتخار بیگم صدیقی۔ انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی۔ ۱۹۸۹ء۔

۲۱۔ ''دیوان جہاں'' تذکرہ ہے اور کلیم الدین احمد اسے مرتب کر کے ۱۹۵۹ء میں پٹنہ سے شائع کر چکے ہیں۔

۲۲۔ سوز کا دیوان پہلے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے ''اردوئے معلّٰی'' (جریدہ دہلی یونیورسٹی، نئی دہلی) کے میر سوز نمبر (نومبر ۱۹۶۳ء) میں شائع کیا۔ بہترین اشاعت ''کلیات سوز'' کے نام سے ادارۂ تحقیقات عربی وفارسی، پٹنہ سے عمل میں آئی۔ مرتب ڈاکٹر سید علی حیدر۔ سنہ اشاعت ۱۹۷۷ء۔ اس کے علاوہ شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور کے استاد زاہد منیر عامر نے بھی

ڈاکٹریٹ کی سند کے لیے میر سوز کا کلیات مرتب کیا ہے۔

۲۳۔ قائم چاند پوری کا کلیات بھی دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ مرتب ڈاکٹر اقتدا حسن۔ مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول، دسمبر ۱۹۶۵ء۔

۲۴۔ کلیات میر کا مستند متن ابھی تک مرتب نہیں ہوا۔ ابھی تک منظر عام پر آنے والے "کلیات میر" کے متون میں کلب علی خان فائق کا مرتبہ متن قابلِ ذکر ہے۔ ناشر مجلس ترقی ادب، لاہور۔ جلد اول (دیوان اول: بار اول، ۱۹۷۷ء، بار دوم، جون ۱۹۹۲ء۔ جلد دوم (دیوان دوم): بار اول، نومبر ۱۹۷۷ء، بار دوم جنوری 1991ء۔ جلد سوم (دیوان پنجم و ششم) (بار اول، جون 1981ء۔ جلد پنجم (دیگر اصناف): بار اول، جون ۱۹۸۲ء، جلد ششم (مثنویات): بار اول، جون ۱۹۸۴ء۔

۲۵۔ کلیات جرات کو ڈاکٹر اقتدا حسن نے مرتب کیا۔ اس کی صرف پہلی جلد مجلس ترقی ادب، لاہور سے پہلی بار اگست ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں مکمل کلیات، مع مقدمہ و حواشی، تین جلدوں میں دانش گاہ نیپلز، اطالیہ سے ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔

۲۶۔ جعفر زٹلی کا کلیات ڈاکٹر نعیم احمد کی ترتیب ۱۹۷۹ء میں علی گڑھ سے شائع ہو چکا ہے۔

۲۷۔ جائسی کی یہ مثنوی بلجیت سنگھ کی ترتیب سے شائع ہوگئی ہے۔ یہ ان کی کتاب "ملک محمد جائسی حیات اور ادبی کارنامے" میں شامل ہے۔ کایا پبلی کیشنز، بہادر گڑھ (ہریانہ)۔ ۱۹۸۹ء۔

۲۸۔ سید سرفراز علی رضوی نے اس کتاب کا نام "بھوگ بل" لکھا ہے۔ دیکھیے۔: مخطوطات انجمن ترقی اردو، جلد اول، ص ۳۸۳، "بھوگ" غالباً کتابت کی غلطی ہے۔

۲۹۔ محمد اسماعیل عرف مرزا جان کا تخلص طپش "ط" سے ہے نہ کہ "ت" سے دیکھیے: بہار دانش۔ مرتب خلیل الرحمان داؤدی۔ مجلس ترقی ادب، لاہور۔ طبع اول، ستمبر ۱۹۶۳ء۔ مقدمہ۔

۳۰۔ شاعر کا نام "نشاطی" نہیں، "ابن نشاطی" ہے۔ دیکھیے: دکن میں اردو، ص ۱۳۴۔ نیز دکنی متون کی اشاعتی معلومات کے لیے رک: دکن و دکنیات۔

۳۱۔ جعفر علی حسرت دہلوی ثم لکھنوی کی یہ مثنوی ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی کی ترتیب سے شائع ہوگئی ہے۔ مکتبہ کلیاں، لکھنؤ، سنہ اشاعت ندارد (دیباچہ مترجم: جولائی ۱۹۶۱ء)۔

۳۲۔ افسوس کی "آرایشِ محفل" کو کلب علی خان فائق نے مرتب کیا جو مجلس ترقی ادب، لاہور سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی۔

۳۳۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اسے مرتب کر کے اردو نیا، کراچی سے (غالباً ۱۹۶۷ء) میں شائع کر چکے ہیں۔

۳۴۔ اسے بھی ڈاکٹر عبادت بریلوی مرتب کر کے دو جلدوں میں شائع کر چکے ہیں۔ ناشر: اورینٹل کالج، لاہور۔ سنہ اشاعت ندارد۔ (دیباچہ مرتب: دسمبر ۱۹۷۳ء)

۳۵۔ ڈاکٹر وحید قریشی کے مقدمے کے ساتھ ''اخلاق ہندی'' مجلس ترقی ادب، لاہور سے دسمبر ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی۔

۳۶۔ حقیقت کی یہ داستان ڈاکٹر عبدالرؤف نے مرتب کر کے نصرت پبلشرز، لکھنؤ سے ۱۹۹۳ء میں شائع کرائی۔ تدوین کا معیار پست ہے۔

۳۷۔ ''خرد، افروز'' بھی دو جلدوں میں مجلس ترقی ادب، لاہور سے شائع ہو چکی ہے: جلد اول: مرتبہ از کارکنان مجلس۔ جلد دوم: مرتب مشتاق حسین۔ طبع اول: جلد اول، اگست ۱۹۶۳ء۔ جلد دوم، دسمبر ۱۹۶۵ء۔

۳۸۔ خلیل الرحمان داؤدی کی ترتیب سے ''مذہب عشق'' بھی مجلس ترقی ادب، لاہور سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۳۹۔ ڈاکٹر وحید قریشی ''نثر بے نظیر'' کو برائے اشاعت مرتب کر رہے ہیں۔

۴۰۔ جدید مستند اشاعت: مرتب ڈاکٹر سید نورالحسن ہاشمی، ہندستان اکیڈمی الٰہ آباد، بار اول، ۱۹۵۸ء، بار دوم، ۱۹۷۸ء۔

۴۱۔ اس داستان کا اصل نام ''گلزار چین'' ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اسے بھی مرتب کر کے شائع کر چکے ہیں۔ مشمولہ اورینٹل کالج میگزین۔ (۱۲ اقساط) اگست، نومبر ۱۹۶۶ء۔ شمارہ مسلسل: ۱۶۶، ۱۶۷۔

۴۲۔ ''شکنتلا'' کی درج ذیل دو جدید اشاعتیں ہو چکی ہیں:

(الف) مرتب ڈاکٹر محمد اسلم قریشی: مجلس ترقی ادب، لاہور۔ طبع اول، دسمبر ۱۹۶۳ء۔

(ب) مرتب ڈاکٹر عبادت بریلوی: اردو دنیا، کراچی، ۱۹۶۴ء

۴۳۔ یہ کتاب گوہر نوشاہی کی ترتیب سے مارچ ۱۹۶۵ء میں مجلس ترقی ادب، لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

۴۴۔ ڈاکٹر عبارت بریلوی کی ترتیب سے یہ کتاب بھی اردو دنیا، کراچی سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔

۴۵۔ فہرست نگار نے واضح نہیں کیا کہ یہ معروف کا کون سا دیوان ہے۔ معروف کا ایک دیوان ۱۹۳۵ء میں نظامی پریس، بدایوں سے شائع ہوا (دیکھیے: مضمون ''نواب الٰہی بخش خاں معروف کا غیر مطبوعہ کلام'' از ڈاکٹر محمد ایوب قادری۔ مشمولہ ''غالب اور عصر غالب'') ایک قلمی نسخے کی مدد سے کچھ غیر مطبوعہ کلام ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے بھی مرتب کر کے شائع کرایا۔ (دیکھیے مضمون محولہ بالا) جب کہ دوسرا غیر مطبوعہ دیوان ادارۂ نادرات، کراچی سے ''صہبائے معروف'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۴۶۔ یہ ''سحر البیان'' کا نسخہ ہے۔ کیفیت کے خانے میں ۱۱۹۹ھ کا اندراج بہ ظاہر سال کتابت

ہے، لیکن یہ مثنوی سحر البیان کی تصنیف کا سال ہے۔ دیکھیے: میر حسن اور ان کا زمانہ۔ ص ۳۷۶، ۳۷۷۔

۴۷ غالباً ''آرایشِ محفل'' از حیدری کا قلمی نسخہ ہے۔

۴۸ ''قصہ خسروانِ عجم'' مول چند منشی کی معروف مثنوی ''شاہ نامہ اردو'' کا تاریخی نام ہے۔ منشی نے یہ مثنوی ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء میں نظم کی۔ دیکھیے: منشی پر الف راقم الحروف کا تحقیقی مقالہ۔

۴۹ یہ طپش کی مثنوی ''بہار دانش'' ہی ہے۔ ''باغ و بہار'' اس مثنوی کا تاریخی نام ہے۔ دیکھیے: بہادر دانش۔ مقدمہ، ۲۱۔

۵۰ یہ کتاب ڈاکٹر عبد السبحان نے مرتب کی اور ''خودنوشت سوانح حیات نساخ'' کے عنوان سے ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔

۵۱ راسخ کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ میں محفوظ ہے۔ معلومات کے مطابق یہ نسخہ راسخ کا خودنوشتہ ہے۔ ۱۹۹۴ء میں لائبریری مذکور نے اس کا عکس شائع کر دیا ہے۔

۵۲ تذکرہ ''مجمع الانتخاب'' علاحدہ سے ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اس کی تلخیص ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے ''تین تذکرے'' میں چھاپ دی ہے۔ اسے مکتبہ برہان، دہلی نے ۱۹۶۸ء میں شائع کیا۔

۵۳ صباح الدین عبد الرحمٰن نے ''دیوان افغان'' مرتب کیا تھا جو انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔

۵۴ اگر یہ شاہ نصیر دہلی ہیں تو شاہ نصیر کا کلیات ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے مرتب کیا تھا جو مجلس ترقی ادب لاہور سے چار جلدوں میں شائع ہوا۔ طبع اول: جلد اول، نومبر ۱۹۷۱ء۔ جلد دوم، مارچ ۱۹۷۷ء۔ جلد سوم، جون ۱۹۸۶ء۔ جلد چہارم، مئی ۱۹۸۸ء۔ یہاں اس کا تذکرہ ضروری ہے کہ ڈاکٹر عبد الرزاق نے کلیات شاہ نصیر کی مذکورہ جلد اول کا تحقیقی جائزہ لے کر اس کی تحقیقی و تدوینی غلطیوں کی نشاندہی کی تھی۔ ان کا یہ جائزہ ماہ نامہ ''قومی زبان'' کراچی کے شماروں اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۷۲ء اور جنوری ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔

۵۵ یہ غالباً میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' ہے۔ بدر منیر اسی کا ایک کردار ہے۔

۵۶ صحیح نام ''بید پائے'' ہے۔ دیکھیے: خرد افروز۔ جلد اول، ص ۶ (متن)(۔ نیز بید پائے اس کلیلہ و دمنہ کا مصنف ہے جو بہت عرصے پہلے سنسکرت زبان میں تالیف کی گئی۔ اس کا ترجمہ فارسی میں ابو الفضل نے ''عیار دانش'' کے نام سے کیا۔ عیار دانش کا الف ہی اردو ترجمہ ''خرد افروز'' کے نام سے ملتا ہے۔ اندازہ ہے کہ یہ قلمی نسخہ ''خرد افروز'' ہی کا ہوگا۔ خرد افروز سے متعلق معلومات کے لیے اس مضمون کا حاشیہ نمبر ۳۹ دیکھیے۔

۵۷ یہ شاہ نصیر دہلوی کا دیوان ہے۔ آغاز کا شعر کلیات شاہ نصیر (مطبوعہ) کی دسویں غزل کا مقطع ہے۔ دیکھیے: کلیات شاہ نصیر، جلد اول، ص ۱۵۷۔ جب کہ اختتام کا شعر کلیات شاہ نصیر، جلد سوم کی ۳۱۰ ویں غزل کا ہے۔

۵۸ کلیات شاہ نصیر میں یہ مصرع یوں ہے: ''کہ اس غزل کو تری سن کے دنگ میر ہوا'' کلیات شاہ نصیر، جلد اول، ص ۱۵۴۔ ''تری'' کے بغیر مصرع وزن میں نہیں آتا۔ اسی لیے مرتب فہرست نے [کذا] استعمال کیا۔

....